

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ
 بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ
 إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ
 بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ



وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی
 سے تھام لو اور فرقہ بندی نہ پڑے



اور اگر اللہ تمہیں کسی
 مصیبت میں مبتلا کرے
 تو سوائے اس کے کوئی اور
 اسے دور کر نہیوالا نہیں اور اگر
 وہ تمہیں خیر سے نوازا چاہے
 تو کوئی اس کے فضل کو
 روکنے والا نہیں (یونس آیت ۱۰۷)

الهامی ادب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذَا حَضَرَ يَعْقُوبَ
الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُوْنَ
مِنْ بَعْدِيۤ قَالُوْا نَعْبُدُ الْهٰٓكَ وَالْهٰٓ اٰبَاكَ
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ الْهٰٓ وَاحِدًا
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

(البقرة: ۱۳۳)

پھر کیا تم اُس وقت موجود تھے جب کہ یعقوبؑ کی
موت کا وقت آیا، اور اس وقت انہوں نے اپنے
بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی بندگی کرو گے
تو انہوں نے کہا ہم اُسی ایک الہ کی بندگی کریں گے
آپ کے الہ، آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ، اسمعیلؑ
اور اسحاقؑ کے الہ کی۔ جو معبود یکتا ہے۔ اور ہم اُسی
کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

کتاب اللہ

مدیر: محمد اعظم خان
نائب مدیر: طارق نسیم

ایسٹس شمارے میں

○ قرینہ ○

- ① حدیث دل _____ ادارہ
 - ② یونس علیہ السلام _____
 - ③ عید اللہ ابن مسعود _____ سعید احمد
 - ④ اہل بیت قرآن و حدیث کے مناظر میں _____ انور طالب
 - ⑤ حکیم الامت اور اعمال قرآنی _____ محمد انوار
 - ⑥ قافلہ ہے رُحواں دواں _____ انور حسین محمد علی خالد عزیز
 - ⑦ سلسلہ سوال و جواب _____ سلمان عید اللہ شکیل الرحمن
 - ⑧ مومنوں کے باہمی تعلقات _____
- محمد اعظم خان

پیشہ
بلا قیمت
تسبیح کیاجاتا
ہے

معاونین

محمد علی گل
الشیخ یعقوب علی
سعید احمد
ڈاکٹر طارق الرحمن
انیس الدین



مقام اشاعت: خط و کتابت کا پتہ
دفتر تحریک اشد
۱۵-۱۶، ماسکام سوسائٹی، لاہور
فون: ۳۸۵۱۳۵

تجربہ کی کو تفرک رکھنے اور
تحریک اللہ کی اشاعت ممکن بنانے
کے لیے ہر لمحہ کوشش کرنی چاہیے
شور و غوغا

حدیثِ دل

کیسا مبارک تھا وہ دور اور خیر و برکت کی حامل تھیں وہ گھائیاں جن کو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے مقدس مشن کے آغاز اور اس انقلابی دعوت کی ابتدا کے لئے چھانٹا تھا۔ وہاں تو بے دینی، جہالت، ظلم و جور، عروانی و فحاشی اور بد عملی رچا کر داری کا دورہ دورہ تھا۔ بے حیائی و بے غیرتی سے بھرا ہوا ادب اور شاعری باعث القمار سمجھے جاتے تھے۔ انسانوں کے ساتھ وحشی و رندوں جیسا سلوک کرتے والے اپنی تہذیب و ثقافت اور خاندانی روایات پر نازاں تھے۔ مردوں کو الہ بنا کر دانا و وہ سنگیر اور عورت کے القاب سے یاد کرنے والے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا کر ان کی پوجا پاٹ کرنے والے اور خود اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والی قوم کے اقراء اللہ کے گھر کے متولی اور متسلم بنے ہوئے تھے! اس عقیم رب کی قدرت و حکمت کا یہ ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ ایسی پس ماندہ قوم کا ایک فرد انسانیت کا کامل ترین نمونہ، سیرت و اخلاق میں بے مثال، اس انقلابی مشن کے لئے کھڑا کیا گیا اور اس کے ذریعے قوم کو بھولا سیتا یا دلا دیا گیا۔

قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَلْجُوا

(اللہ کو! کیا مان لو لہاج یا سب ہو جاؤ گے)

ان کو سمجھایا گیا کہ لوگو! تمہارا مسئلہ ایک ہی ہے، تمہاری غلطی اور برہادی کا اصل سبب وہ برائی "ام الجہانیت" (تمام برائیوں کی جڑ) شرک کی ذات ہے۔ تم نے رب کائنات کے ساتھ دو سرے معبود بنائے ہیں جن کو پوجتے اور پکارتے ہو، ان سے مدد مانگتے ہو اور ان کی شکر گزاری نذر و نیاز کی شکل میں بجالاتے ہو۔ بلا شک و شبہ تم رب ذوالجلال کے قہر و غضب کو دعوت دے رہے ہو۔ تم کو تو صرف اس اکیلے رب کی بندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اسی میں تمہارا امتحان ہے۔ اس بات کو سمجھ لو۔ اللہ کو! کیا مانو اور وہ ساری ہستیوں سے بندگی کا رشتہ توڑ دو، اپنے دین کو صرف اسی ذات واحد کی عبادت کے لئے خالص کر لو۔ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو گا، تمہیں عزت و سرفرازی سے نوازے گا اور اقوام عالم پر فوقیت عطا فرمادے گا۔

یہ بات نئی اور پیچیدہ نہ تھی، صاف سادہ اور کھری تھی۔ قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اتر جانے والی تھی۔ انسانی فطرت اور مشاہدات عالم کے عین مطابق تھی۔ لیکن پھر بھی اکثریت نے اس کو نہ مانا، لہو و لعب اور عیش و طرب میں غرق و مدہوش قوم کے عاقلوں، دانشوروں اور سرداروں نے اس سے مت موڑ لیا اور مخالفت پر کمر باندھ لی۔ البتہ غور و فکر کرنے والے کچھ امت و رسول نے "اسواہمکم" کی حیات آفریں پاک پر امانت کما (جن میں اکثر فوجوان اور غریب تھے لیکن کچھ اولوالایباب

صاحب ثروت بھی تھے)۔ ماننے والوں نے عزم کے ساتھ اس دعوت کا ساتھ دیا۔ آزمائشوں، ایذاؤں اور ہر قسم کی ستم رانیوں کو خندہ پیشانی اور ثابت قدمی کے ساتھ انگیز کیا، ہجرت کے بعد میدان قتال میں اتر کر اخلاص اور وفاداری کا بین ثبوت فراہم کر دیا۔ قلیل سی مدت میں نبی علیہ السلام کے ذریعہ قربیت، تزکیہ نفس اور تطہیر قلب و ذہن کے مرحلہ سے گزر کر ان جوان ہمت اور واعی بہاروں کے بچے آرزو مند جاں نثاریوں کا ایک ایسا گروہ اس عظیم مشن کے لئے تیار ہو گیا جو مومنانہ اوصاف کے حامل عباد الرحمن کے بہترین نمونے تھے اور جو جان و مال کے عوض جنت کی نعمتوں کے سونے پر پوری طرح مطمئن تھے۔ دنیا کی بے ثباتی اور متاع غرور ہونے کا تصور اور آخرت کی نعمتوں اور اللہ کے انعامات کا شعور ان کے ذہن و خیال میں پوری طرح نقش ہو گیا تھا۔ اسی لئے وہ صبر و استقامت کے پیکر اور عزم و جرأت کی چٹان بن گئے تھے۔ ان کی اجتماعیت یوم حساب پر یقین رکھنے والے بچے ”اخوان المسلمین“ کی اجتماعیت تھی اور ان کے باہمی تعلقات ”اشقاء علی الکفار وحماء ینہم“ کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ ہر چند کہ شیاطین الانس و الجن کے وار سے گھائل ہونے والے غیر سنجیدہ، منافقین جو نفس پرستی کا شکار، تنذیب اور ذہنی سرعوبیت، احساس برتری اور عصبیت کے مرض میں گرفتار، دشواری مغالوات کے دلدارہ تھے، مسلمانوں کی صفوں میں گھسے رہ کر انتشار پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے اور مومنوں کے باہمی اعتماد و اخلاص کو مجروح کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے لیکن مومنین صالحین تمام جسمانی اور نفسیاتی آزمائشوں میں طاہت قدم رہے اور

”اصبروا صابر وادبروا بطوا“

کے اسلحے سے آراستہ ہر باطل شیطانی وار کا مقابلہ مہرمانہ وار کرتے رہے۔ ان آزمائشوں میں کھوٹے سکے چھٹتے رہے اور کھرے آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ رب ذوالجلال نے ان کے ہاتھوں اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور دین اسلام کو قلب و جھکن عطا فرما کے اپنا وعدہ استخلاف پورا فرمادیا۔ ایک روشن اور تابناک باب تاریخ انسانیت کے صفحات میں مرتسم ہو گیا۔

لیکن تاریخ تو اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے منصوبہ امتحان کے تحت انسان کو فکر و عمل کی آزادی اور اختیار دیا گیا ہے اور انہی دشمن شیطان کو بھی چھوٹ و صلت ملی ہوئی ہے۔ اس کا دانا راجبار و روحبان اور قوم کے دیگر یا اثر افراد پر ہوتا ہے اور پھر وہ انکو اپنے ساتھ ملا کر مبینہ امت مسلمہ کو کفر و شرک کے بحر ظلمات میں غرق کر دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ حالمین کتاب، یسوع و نصاریٰ کی تاریخ کی صفحات اسی عروج و زوال کی رو کاوازے بھرے ہوئے ہیں۔ اب یہ آخری امت بھی آج اسی منظر نامہ کو دہرا رہی ہے۔ ان کی عقائد و اعمال کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن پر ایمان اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دعویٰ یہ امت مسلمہ مشرکانہ عقائد و اعمال میں اور بد اعمالی و بد کرداری اور دنیا پرستی میں کھجلی تمام قوموں سے سبقت لے گئی ہے۔ ان کے مزار، جشن عرس، غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، سبیلیں اور دیگر مشرکانہ رسومات انکا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اقوام عالم میں سب سے زیادہ

ہستی دولت و رسوائی اسکا مقدر بنی ہوئی ہے۔ جگہ جگہ خواتین اجتماعی آبیرو پرینی کا شکار ہیں ان کا خون پانی سے ارزاں ہے ان کی بستیوں پر وہ سروں کا تسلط ہے یا آپس میں خانہ جنگی سے دو چار ہیں غرضیکہ انہوں اور دوسروں کی ہاتھوں پے جارہے ہیں۔ پس چہ باید کہو؟ (تو پھر کیا کیا جائے) ایک صاحب بصیرت اور دل کی دھڑکن سننے والے سلیم القدرت انسان کی نظر سے یہ اصول کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے کہ اصلاح انہوال کا کارگر طریقہ کار تو صرف ایک ہی ہے یعنی طریقہ ربانی جو ہر نبیؑ نے اپنایا ہے۔ بقول امام مالکؒ

لن يصلح اخر هذه الامة الا ما يصلح اولها

(بعد کی امت کی اصلاح اسی طرح ہوگی جیسے کہ دور اول میں ہوئی تھی)

یعنی ہوش مند جوان بہت افراد انھیں اور سب سے پہلے اپنے ایمان و عقیدہ کو قرآن و حدیث کی رہنمائی میں ہر قسم کے شرک کی آلودگی سے پاک کریں اور پھر سنت کا جامہ اس شان سے زیب تن کریں کہ اس فرمان نبویؐ کے مصداق بن جائیں۔

من احب سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی البیت

(جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہی میرے ساتھ جنت میں ہوگا)

یعنی اتباع سنت، حب رسولؐ کے پورے شعور اور قلب و ذہن کی گہرائیوں کے ساتھ ہو۔ اور آخرت و دین حساب پر یقین انکی زندگی کے ہر گوشہ کو ایمان و تقویٰ کے رنگ میں رنگ دے۔ پھر ایسی اصلاح اور یکسو افراد کی اجتماعیت اس مشن کو نیکرہ حق میں آگے بڑھے۔ قرآن اولیٰ کے نمونے کو ہمہ وقت سامنے رکھتے ہوئے ہر قسم کی آزمائش کو انگیز کرینے کا حوصلہ ہو۔ مٹھن سے مٹھن سرطے میں مبروہ قیدی کی کا دامن نہ پھوٹے۔ ”ثم لم یبقوا“ کے موقف پر اپنی عزیمت کے ساتھ رہیں۔ تسبیح و تہجد اور توکل علی اللہ ان کا اسلحہ اور ذرہ بکتر ہو تو رضوان اللہ تعالیٰ اور جنت کی نعمتوں کی آرزو انکا سرمایہ حیات۔ یہ کام اگر اس انداز سے کیا گیا تو انشاء اللہ رب العالمین کی تائید و نصرت ساتھ دے گی اور اس راہ میں کام آئیوالے جنت کی بہادری اور رب غفور الرحیم کی مہمان نوازی کا جاں فزا مژدہ آخری پہلی آنے سے تحمل ہی سن لیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب کریم ایمان کی قدر کرنے اور صحیح معنوں میں اس کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق سے نوازے اور مشرکین و منکرین کے شیطانی فتنوں سے اپنی خاص حفاظت میں رکھے! آمین۔

يوم الاحد ١٥ رجب المرجب ١٤١٥ھ

یونس علیہ السلام

ابو الفرج بنون

یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی گذرے ہیں۔ قرآن مجید کی ایک سورۃ (یونس) انہی کے نام سے موسوم ہے۔ قرآن میں اگرچہ یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کی قوم کا مسکن کہاں تھا مگر قرآنی آیات کے مفہوم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ سمندر کے قریب رہتے تھے۔ بائبل میں یونس علیہ السلام کے نام ”یوناہ“ سے موسوم ایک مختصر مہینے کے حوالے سے مختلف تفاسیر میں دی گئی تفصیلات کے مطابق یونس علیہ السلام کو اہل نینوی (اشوریوں) کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ لوگ کافرو مشرک تھے۔ اس قوم کا صدر مقام نینوی کا مشہور شہر تھا جس کے آثار آج بھی دریائے وطل کے کنارے پر واقع شہر موصل کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ”مہینہ یونس“ کے مطابق نینوی کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل تھی جبکہ قرآن مجید کی سورۃ الصافات میں بھی ایک لاکھ یا اس سے زائد بتائی گئی ہے۔

قرآن کی سورۃ یونس میں یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کے بارے میں اشارۃً یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قوم یونس کے علاوہ کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ ایک ایسی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لئے نفع بخش ثابت ہوا ہو۔ اس طرح وہ قوم جب ایمان لے آئی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا اور پھر ایک مدت تک اس کو دنیوی فوائد سے بہرہ مند ہونے کا موقع عطا فرمایا (سورۃ یونس آیت ۹۸)۔ اس کے علاوہ سورۃ الانبیاء (آیات ۸۷-۸۸) سورۃ الصافات (آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸) اور سورۃ العنکب (آیات ۳۸ تا ۵۵) میں مختصر طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں یونس علیہ السلام کو ذوالنون اور صاحب الحوت (مچھلی والے) کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

قرآن و حدیث اور تفاسیر کی روایات کے مطابق یونس علیہ السلام نے ایک مدت تک دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی قوم کو اللہ وحدہ لا شریک کی بندگی کی طرف دعوت دی اور بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا پاٹ سے منع کیا۔ لیکن قوم خدا اور بت و صوری پر اڑی رہی اور اس نے ان کی بات کو نہ مانا۔ بالآخر یونس علیہ السلام نے قوم کی سنگدلی اور ناقدری کی روش سے

ماریس ہو کر ان کو اللہ کے عذاب سے خبردار کیا کہ اب تم پر اللہ کا عذاب آکر رہے گا۔ اس طرح قوم کو عذاب الہی کی اطلاع دینے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بحالت نصب قوم کو چھوڑ کر چلے گئے چنانچہ سورۃ الانبیاء میں فرمایا:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَعَاصِيًا قُلْتَ اِنْ لَنْ يَنْقُزَ عَلَيْهِمْ (آیت نمبر ۸۷)

"اور پھل والا (جس کو ہم نے نوازا تھا) یاد کرو جب وہ نصیبال ہو کر چلا گیا تھا اور یہ سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔"

یعنی یونس علیہ السلام قوم کی تکذیب کی وجہ سے ان سے ناراض ہو کر چلے گئے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ان پر عذاب آنے والا ہے اور انہیں وہاں سے چل کر کہیں پناہ لینی چاہئے مگر انہوں نے اللہ کی طرف سے وہ علاقہ چھوڑنے کے حکم کا انتظار نہ کیا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی ہمیشہ سے یہ سنت رہی ہے کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر اپنے مقام کو نہیں چھوڑتے۔ لہذا یونس علیہ السلام کا اذن الہی کے بغیر وہاں سے چلے جانا اللہ کے نزدیک قابل گرفت فعل تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ سخت آزمائش میں مبتلا ہوئے جس کا ذکر سورۃ الصافات میں اس طرح آیا ہے:

وَإِنْ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ أُلْقِيَ الْفُلُكُ الْمُضْحُوكُونَ ۝ فَاسَاهِمْ لَكَانَ مِنَ الْمَحْضَرِينَ ۝

فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۝ (آیات ۱۳۹-۱۴۲)

"اور بلاشبہ یونس بھی رسولوں میں سے تھا۔ (یاد کرو) جب وہ ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ نکلا۔ پھر قہرِ ایزازی میں شریک ہوا تو اس نے زک اٹھائی۔ پھر اسے پھل نے نگل لیا اور وہ ملامت زدہ تھا۔"

یہاں ابقی کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں صرف ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کوئی غلام اپنے آقا سے فرار ہو جائے۔ مذکورہ آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

(۱) یونس علیہ السلام اللہ کی طرف سے واضح حکم آنے سے پہلے ہی محض اس گمان غالب پر کہ نافرمان قوم پر اللہ کا عذاب آنے ہی والا ہے "قوم کو اس کے حال پر چھوڑ کر چل چڑھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی یہ مستقل سنت ہے کہ جب تک قوم پر پوری طرح سے اتمامِ حجت نہیں ہو جاتا اس وقت تک اس پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ اس طرح یونس علیہ السلام اپنی قوم کے اندر اللہ کی طرف سے دی گئی مصلحت کے آخری لمحے تک دعوت کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے بلکہ وہ قتل اس کے کہ اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم آتا "قوم سے ناراض ہو کر جلد بازی میں چلے گئے۔ سورۃ القلم میں اس کو اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

لَا صَبْرَ لِحُكْمِهِ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۝ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْشُومٌ ۝ (آیت نمبر ۲۸)

"نہیں (اے نبی) اپنے پروردگار کے فیصلے تک صبر کرو اور پھل والے (یونس) کی طرح نہ ہو۔ جب اس نے پکارا اور وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔"

(۲) یونس علیہ السلام جب اس طرح اپنی قوم کو چھوڑ کر نکلے تو وہاں سے جانے کے لئے انہیں ایک ایسی کشتی ملی جو پہلے

سے اپنی گنجائش کی حد تک مسافروں سے بھر جی ہوئی تھی اور وہ اسی میں سوار ہو گئے۔ آگے چل کر جب کشتی کسی بھنور میں بچسی یا اسکا سابقہ طوفانی ہوا اور تیز دھند موجوں سے پیش آیا اور بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے کشتی کا سنبھلنا دشوار ہو گیا اور تمام مسافروں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تو ایسی صورت میں بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے قریب اندازی کی گئی جس میں یونس السلام ہی کا نام نکلا۔ وہ اگرچہ اللہ کے رسول ہونے کی وجہ سے نیکی و تقدس میں بلاشبہ سب سے پرہیز کرتے لیکن قریب میں انہی کا نام آنے کی وجہ سے انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا جہاں ایک بڑی مچھلی نے ان کو نگل لیا۔

(۳) یونس علیہ السلام اس مصیبت اور مشکل صورت حال سے اس لئے دوچار ہوئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنے مقام اور اپنی قوم کو چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے وہ اپنی اس کوتاہی اور فروگزاشت پر خود ہی ملامت زدہ تھے یعنی اپنے دل میں اس پر ندامت کا شدید احساس لئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی احساس اور اعتراف کے ساتھ مچھلی کے پیٹ سے اپنے رب کی طرف رجوع کیا۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں بیان کیا گیا ہے:

لَمَّا دُفِنَ فِي الظُّلُمَاتِ اِنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ سَبَّحْتَكَ يٰ اَنِي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۝ فَاَسْتَجِبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۝ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آیات ۸۷، ۸۸)

”آخر اس نے (مچھلی کے پیٹ اور سمندر کی گہرائی کے) اندھیروں میں (اللہ کی) پکارا کہ تیرے (اللہ کے) علاوہ کوئی الہ و معبود (مشکل کشا و قریا و رسی) نہیں۔ تو (ہر عیب سے) پاک ہے بے شک میں ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں ہوں۔ پس ہم نے اسکی دعا کو سنا اور قبول کیا اور اسکو غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔“

ملاحظہ فرمائیے! وقت کا نبی ہے۔ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے بے بسی اور بے چارگی کا عالم ہے کہیں سے کوئی مدد نہیں ہوتی۔ سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ڈوبنے لگتا ہے کہ مچھلی لقمہ بنا لیتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ کسی جیند بقدادی کی طرح سطح سمندر پر دوڑنا یا چلنا شروع کر دے اور پانی میں پھینکنے والوں کو حیرت زدہ کر دے۔ سمندر کی گہرائیوں میں مچھلی کے پیٹ سے ”اندھیروں پر اندھیرے میں“ اللہ کے علاوہ کسی اور کو مشکل کشائی یا قریا درسی کے لئے نہیں پکارتا۔ ایک اللہ وعدہ لا شریک کے علاوہ کسی اور کو ڈوبے ہوئے بیڑے کو پار لگانے والا نہیں سمجھتا۔ کسی اور کو اللہ کی یاد گاہ میں واسطہ اور وسیلہ بنا کر دعا نہیں کرتا بلکہ صاف اور صریح انداز میں صرف اور صرف اپنے رب کو ”اپنے اللہ کو پکارتا ہے۔ بخزرو انباری سے“ اپنی قلعی کے احساس و اعتراف کے ساتھ اور اس کی پاکی و بڑائی بیان کرتے ہوئے ”براہ راست اسی کو مستجاب الدعوات سمجھ کر“ پھر رب رحیم اپنے فضل و رحمت سے یونس علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا ہے اور ان کو اس شدت اور تکلیف سے نجات دیتا ہے اور واضح انداز میں بیان فرماتا ہے:

فَلَوْلَا اَنْدَ كَانَ مِنَ السَّابِقِيْنَ ۝ لَمَّا كَانَ فِي الْبَطْنِ اَلَىٰ يَوْمٍ يَمُوتُوْنَ ۝ (الصافات ۴۳، ۴۴)

”پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو قیامت کے دن تک اس (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا“ (یعنی اسکی خوراک بن جاتا)

لامرئیس یونس علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور اس اعتبار سے وہ پہلے ہی سے اللہ کی بندگی کا حق ادا کرنے والے اسکی تسبیح و تحمید کرنے والے تھے لیکن جب مچھلی کے پیٹ میں پہنچے اور اس طرح آزمائش سے دوچار ہوئے تب بھی انہوں نے اللہ ہی سے رجوع کیا بلکہ اور زیادہ بندگی کے احساس کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے نبی یونس علیہ السلام اور دوسری انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور مثالیں بیان کر کے انسانوں کے لئے ایک اعلیٰ اصول اور بہترین نمونہ پیش کر دیا ہے کہ وہ بندگی صرف اور صرف اللہ کی کریں اور خوشی یا غمی اور مصیبت و پریشانی ہر حال میں اپنے رب سے رجوع کریں اور اپنی زبانوں کو اسی کے ذکر اور اسی کی پاکی و برائی کے بیان سے ترک رکھیں "اس کے علاوہ کوئی اور ان کا کار ساز و مددگار نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ قرآن بیان کرتا ہے کہ جب یونس علیہ السلام نے اس طرح اللہ سے رجوع کیا اور اسکی تسبیح کے ذریعے اسکی رحمت کو متوجہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ صرف مچھلی کے پیٹ میں سمندر کی گہرائیوں کے اندر زندہ رکھا بلکہ زندہ حالت میں اسی مچھلی کے ذریعے زمین پر پھینک دیا جس نے ان کو ساحل سمندر کی چٹیل زمین پر اگل دیا۔ جہاں پر نہ روئیدگی کے آثار تھے اور نہ کوئی ایسی چیز جو یونس علیہ السلام پر سایہ کرتی اور نہ ان کے لئے غذا کا کوئی سامان تھا۔ یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ سے نکلے تو نہایت نحیف و ناتواں اور کمزور و بیمار تھے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

فنبذہ بالمرأء وهو سقیم ○ (الصافات ۱۳۵)

"پھر ہم نے ان کو فراخ میدان میں ڈال دیا جبکہ وہ سقیم (بیمار) حال میں تھے۔"

چنانچہ پروردگار عالم نے ایسی حالت میں بھی ان کو اپنے فضل و رحمت سے نوازا اور ان کے لئے سائے "غذا اور حفاظت کے لئے ایک بیلدار درخت اگادیا۔ فرمایا

وانبتنا علیہ شجرة من یقطین ○ (الصافات ۱۳۶)

"اور ہم نے اس پر ایک بیلدار درخت اگادیا۔"

یقطین عربی زبان میں ایک ایسے درخت کو کہتے ہیں جو تنے پر کھڑا نہیں ہوتا بلکہ تیل کی صورت میں پھیلتا ہے جیسے کدو (جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کبھی اس کے پتوں کے قریب نہیں آتی) تریوڑیا لکڑی وغیرہ۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کا تیل نما کوئی پودا یا درخت وہاں پر پیدا فرمادیا تھا جس کے پتے اور پھل یونس علیہ السلام کے لئے بیک وقت سائے اور غذا کا کام دیں۔ اس طرح کچھ وقت کے بعد وہ بٹنے جلنے اور گفتار کے قابل ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم تھا یونس علیہ السلام پر چنانچہ فرمایا:

لولا ان قلنا کہ نعمتہ من ربنا لنبذہ بالمرأء وهو منسوم ○ (القلم ۳۹)

"اگر اس کے پروردگار کی صوفائی اسکی یاد دہی نہ کرتی تو وہ پھٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا اور اسکا حال ابتر ہو جاتا۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ لِيُخْلِسُوا إِلَيْهِمْ (الصافات: ۱۳۸)

”اور ہم نے اس کو ایک لاکھ یا زیادہ لوگوں کی طرف (مغیر ہٹا کر) بھیجا پس وہ ایمان لے آئے تو ہم نے بھی ان کو ایک وقت مقرر تک قائمہ حاصل کرنے کا موقع عطا کیا۔“

گویا اللہ تعالیٰ نے ایک طرف یونس علیہ السلام پر ایک معمولی سی لغزش کی وجہ سے کہ وہ اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر محض اس خیال سے اپنا مقام چھوڑ کر چلے گئے تھے کہ قوم پر اللہ کی باقرانی اور ان کی دعوت کو جھٹلانے کی وجہ سے عذاب آئے ہی والا ہے عتاب فرمایا اور پھر ان کے اعتراف قصور کے ساتھ رجوع کرنے پر نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ان کو اپنے خصوصی فضل و رحمت سے نواز کر ایک شدید آزمائش سے نکالا اور تندرستی عطا فرمائی۔ منصب نبوت پر سرقرار فرمایا اور برکزیہ کیا۔ اس واقعہ میں درس عبرت ہے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور بشریت کے تمام تقاضوں کے حامل ان کو اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا سوائے اللہ کی مشیت کے یعنی مشیت الہی کے سامنے وہ بالکل ہی بے بس و بے اختیار ہوتے ہیں۔ تقاضائے بشریت سے متعصف ہونے کی بناء پر ان سے سمونسیان اور لغزش ”زلزلہ“ کے ارتکاب کا امکان تو ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت ان کے شامل حال رہتی ہے۔ یہی عصمت انبیاء کا تصور ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرآن میں اگر کہیں کسی نبی کی ناداستہ اور بے قصد و ارادہ غلطی کا تذکرہ کیا بھی گیا ہے تو ساتھ ہی ان کی جانب سے معذرت و استغفار کے بعد ان کے منصب کی بحالی کا اظہار فرما کے ہر قسم کی ٹھانہ و گستاخانہ قیاس آرائی کا سدباب فرما دیا گیا ہے۔ دراصل یہ تذکرہ ان کی بشری حیثیت کو واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے تاکہ بعد والے ان کو فوق البشر حلیم کر کے اللہ کے ساتھ شریک نہ کر لیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اللہ کے رسول کی محبت و عقیدت میں غلو کرتے ہوئے کسی دوسرے نبی کی شان گرانا ایمان کے منافی ہے۔ اسی غلط روش کا سدباب کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَا يَنْبَغِي لِعِبْدَانِ يَقُولَ الْآخِرُ مِنَ يُونُسَ بْنِ مَتَّى“..... (بخاری و مسلم)

ترجمہ: کسی بندہ کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں (اور بخاری کی ایک اور

روایت میں ہے کہ جس نے یہ کہا کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں تحقیق وہ جھوٹا ہے۔)

دوسری طرف جب قوم نے یونس علیہ السلام کے جانے کے بعد عذاب الہی آتے دیکھا تو اپنے نبی کو تلاش کیا جو ان کو اللہ کے عذاب سے خبردار کیا کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کہیں نہ پایا تو سب نے اللہ کی بارگاہ میں روبرو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگی عذاب سے بچانے کی التجا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی معاف کر دیا۔ اس لئے کہ قوم نے اللہ کی طرف متعین مہلت کے اندر رجوع کر لیا تھا اور یہ اللہ کی سنت کے خلاف تھا کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی بستی یا قوم پر عذاب نازل کرے۔ اور

(یاقوتی صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)



عبد اللہ ابن مسعود

رضی اللہ عنہ

فقہ الامت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہیں جو اس وقت ایمان لائے جبکہ انبیاء
 علیہم السلام کی مرکزی دعوت "انکم الہ واحد" کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اٹھے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا اور مکہ
 کے مشرکین ایمان لانے والوں کو شدید مصائب سے دوچار کر کے ایمان کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ
 عبد اللہ رضی اللہ عنہ عقبہ بن ابی معیط (مشہور دشمن اسلام) کی بکریاں چرا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو
 بکر رضی اللہ عنہ پانی کی تلاش میں ان کے پاس پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا "تو کے تم کس بکری
 کا دودھ دے کر ہمیں دے سکتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا کہ یہ بکریاں تو میرے پاس بطور امانت ہیں (بغیر مالک کی اجازت کے
 یہ خیانت ہوگی)۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا "اچھا کوئی ایسی بکری لے آؤ جو دودھ نہ دیتی ہو" وہ فرماتے ہیں کہ میں ایسی ہی
 ایک بکری لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ پکڑ کر دودھ اترنے کے لئے کہا تو اترنا دودھ اتر آیا کہ نبی علیہ
 السلام "ابو بکر رضی اللہ عنہ اور میں نے خوب جی بھر کے پیا" پھر نبی علیہ السلام نے حکم دیا تو قصہ واپس اپنی حالت پر آگیا۔
 تو جو ان عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے کانوں میں دعوت حق کی پکار تو پہلے ہی پڑ چکی تھی اب داعی حق کا یہ معجزہ دیکھ کر وہ سمجھ گئے
 کہ جو بات یہ کہتے ہیں وہی سچ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے بھی دین حق کی تعلیم دیجئے۔
 نبی علیہ السلام ان کی دیانت داری و یکہ چکے تھے "آپ نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ بھیرا اور کہا "تم علم والے بچے
 ہو۔" یہ واقعہ انہی کی زبانی مسند احمد، بیہقی اور ابن کثیر وغیرہ میں موجود ہے۔ نبی علیہ السلام کی زبان سے "علم والے" کا
 خطاب پانچواں لے عبد اللہ رضی اللہ عنہ بعد میں بہت بڑے عالم بنے۔ اس وقت صرف چند معید الفطرت ہستیاں مشرف بہ
 اسلام ہوئی تھیں "چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ "میں چھٹا مسلمان تھا" ہمارے علاوہ زمین پر کوئی مسلم نہ تھا" (حاکم المستدرک)۔
 ایمان لانے کے بعد آپ نے نبی علیہ السلام کا بھرپور ساتھ دیا "مصائب و فتنیں برداشت کیں" آپ کو دو ہجرتوں کا شرف
 ملا۔ آپ ابن جلیل القدر صحابہ میں شامل ہیں جن کے بارے میں قرآن میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْحَقِّ وَاسْتَمَاعُوا لِرَسُولِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْحَقِّ وَاسْتَمَاعُوا لِرَسُولِهِمْ

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْحَقِّ وَاسْتَمَاعُوا لِرَسُولِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْحَقِّ وَاسْتَمَاعُوا لِرَسُولِهِمْ

(البقرہ : ۱۷۷)

ترجمہ : "وہ مہاجرین و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی تیرہ

جنہوں نے احسن طریقہ سے ان کی پیروی کی "اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نمریں بہتی ہوئی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ عظیم کامیابی ہے۔"

عبداللہ رضی اللہ عنہ سابقین الاولون میں شامل تھے ایمان لانے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا اور ساتھ ہی انتہائی ذوق و شوق سے قرآن حکیم کی تعلیم کے حصول میں لگے رہتے تھے۔ مشرکین مکہ کے سامنے دین کی دعوت دینے سے کبھی نہ جھجکے۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس نے اعلانیہ قرآن کی تلاوت کی وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے "چنانچہ مشرکین انہیں کیسے جین لینے دیتے" ان کے مظالم سے تنگ آکر آپ نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی۔ نبی علیہ السلام نے ان کی موافقت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ سے کر دی اور مسجد نبوی کے پاس کچھ زمین رہنے کے لئے دی۔ سن ۲ ہجری میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر سے لیکر تبوک تک تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ غزوہ بدر میں جب نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ کون ہے جو ابو جہل کی خیر لائے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ہی اس کی موت کی خیر شاکر نبی علیہ السلام کو خوش کیا تھا (بخاری)۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں شریک تھے اور ان شرکاء کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں نمایاں طور پر اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے خادم خاص تھے "آپ سے بے انتہا محبت کیا کرتے تھے" سفر وغیرہ میں نبی علیہ السلام کی چادر، تکیہ، مسواک، جوتیاں اور وضو وغیرہ کا سامان اٹھایا کرتے تھے۔ (بخاری)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعداد حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کو تین پتھر لانے کا حکم دیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دو پتھر ملے، تیسرا یاد وجود تلاش نہ ملا تو وہ گویا ایک ٹکڑا لے آئے۔ نبی علیہ السلام نے پتھر لے لئے اور گویا پھینک دیا (بخاری)۔ سند احمد کی روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے پھر انہیں تیسرا پتھر لانے کا حکم دیا۔ قرآن کے علم کے ساتھ تلاوت بھی خوب کرتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا "مجھے قرآن سناؤ" عرض کیا "میں آپ کو سناؤں حالانکہ آپ پر تو اترا ہے۔" نبی علیہ السلام نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ کسی دو سرے سے سنوں۔" چنانچہ انہوں نے سورہ النساء تلاوت فرمائی۔ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ "جب میں اس آیت پر پہنچا لکھنا انا جتنا من کل امۃ شہید..... الخ (النساء : ۳۱) تو میں نے دیکھا کہ نبی علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو آئے۔"

صحیح بخاری میں ہی ہے کہ عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود ایسے شخص ہیں جن سے میں برابر محبت کرتا ہوں جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "قرآن چار آدمیوں سے سکھو" عبداللہ بن مسعود سے (پہلے ان کا نام لیا) "سالم" سے جو ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام ہیں "ابی ابن کعب" اور معاذ بن جبل سے (کتاب المناقب باب مناقب سالم)۔

عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و خصائل کو اپنانے کے بڑے وادارہ تھے چنانچہ عبدالرحمن بن یزید

اب یہ اور بات ہے کہ نام نہاد جماعت المسلمین کے امیر نے اپنی کتاب "تاریخ الاسلام والمسلمین" کے صفحہ ۵۵۷ اور ۵۵۹ پر یہ الفاظ حذف کر دیئے "یہ علمی حیانت و حاصل مسکلی تعصب ہی کا نتیجہ ہے۔"

بیان کرتے ہیں کہ "ہم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو خصلت اور طور طریق میں نبی علیہ السلام کے قریب ہو" تاکہ اس سے دین کا علم حاصل کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو عادات و قصائل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں پاتا (بخاری کتاب المناقب۔ باب مناقب عبد اللہ)۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرا بھائی یمن سے آئے اور ایک عرصہ تک ہم ٹھہرے۔ ہم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے سمجھتے تھے کیونکہ وہ اور ان کی والدہ نبی علیہ السلام کے پاس بہت زیادہ جایا کرتے تھے۔ (بخاری) اور مسلم میں ہے کہ بیٹھ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔

عبد اللہ "علم حاصل کرنے اور اسے پھیلانے سے بھی بہت زیادہ شغف رکھتے تھے" فرماتے تھے "اگر مجھے معلوم ہو کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے تو اگر اونٹ مجھے اس تک پہنچائے تو میں ضرور اس کے پاس سوار ہو کر جاؤں" (بخاری۔ کتاب العلم)۔ فرماتے تھے "اللہ کی قسم صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے ہیں کہ میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جانتے والوں میں سے ہوں لیکن میں ان سب سے بہتر نہیں ہوں" (بخاری۔ کتاب فضائل قرآن) عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا بطور تحدیث نعمت تھا۔ بخاری (کتاب العلم) کی روایت کے مطابق ہر جمعرات کو دوس دیا کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بڑے اہتمام سے قرأت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ ایک مرتبہ مشہور صحابی جناب بن اللات رضی اللہ عنہ نے ان کے شاگرد حلقہ کی قرأت سن کر تعریف کی "عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس طرح میں پڑھتا ہوں اسی طرح یہ بھی پڑھتے ہیں۔" (بخاری کتاب المغازی)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے سوجھ بوجھ اور علم و حکمت سے نوازا تھا اور آپ لوگوں کی تعلیم و تربیت میں حکمت و موعظت کا خیال رکھتے تھے۔ ایک وفد ان کے ایک شاگرد نے ان سے کہا "اے ابو عبد الرحمن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روزانہ درس دیا کریں" آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا اس لئے نہیں کرتا کہ تم کو آتا دیتا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا میں موقع اور وقت دیکھ کر تمہیں نصیحت کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقت اور موقع دیکھ کر ہمیں نصیحت کیا کرتے تھے "اس خیال سے کہ کہیں ہم اتنا نہ جانیں (بخاری کتاب العلم باب من جعل لاهل العلم ایاماً معلوماً)۔ آپ فرمایا کرتے تھے "لوگو! جس کو علم ہو وہ اس علم کے مطابق بیان کرے اور جس کو علم نہ ہو تو اسے چاہئے کہ یہ کہے کہ اللہ جانتا ہے" کیونکہ یہ بھی علم ہی ہے کہ جس بات کے متعلق نہ جانتا ہو اس کے متعلق یہ کہہ دے کہ اللہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ "اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (علم دین) پر اجر طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں (بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ ص)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم پر وہ انعام اور میری راز کی باتیں سن لو سوائے اس کے کہ (پروردگار تعالیٰ کے حکم) میں تمہیں منع کر دوں (مسلم کتاب السلام)۔ جب سورۃ المائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی :

لَيْسَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِجْتِهَادٌ وَلَا عِلْمٌ اِذَا مَا اتَقُوا وَاتَّقُوا... (المائدہ)

(۹۳)

ترجمہ : "ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اس جگہ کے کھانے پر کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے (حرام ہونے سے پہلے) کھائی جبکہ وہ ڈرے اور ایمان لائے" (تور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں خوشخبری دی کہ آپ انہی لوگوں میں شامل ہیں۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کیا عالم تھا اس کا اندازہ انہی کے بیان کردہ واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے "فرماتے ہیں "ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کہیں نہیں ملے ہم نے والدیوں اور گھائیوں میں تلاش کیا اور پوری رات بڑی بے چینی سے گزری۔ جب صبح ہوئی تو آپ "جبل حرا کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ ہم نے آپ سے پریشانی کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا "جنت کی طرف سے ایک قاصد آیا تھا، میں اس کے ساتھ گیا اور انہیں قرآن سنایا۔ پھر آپ ہمیں وہاں لے گئے اور ہمیں ان کے اور ان کی آگ کے آثار دکھائے" (مسلم کتاب المسلوۃ باب الجھر بالقرآن فی الصبح)۔ فی الحقیقت یہ حب رسول اور علم دین سے شغف ہی تو تھا جس کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عبد اللہ رضی اللہ عنہ بڑا علمی مقام رکھتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کہا تھا "جب تک یہ عالم (عبد اللہ) تم میں موجود ہیں تم مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو۔" (بخاری کتاب الفرائض)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے علم والے کا خطاب پانچواں"

عبد اللہ بعد میں بہت بڑے عالم بن کر ابھرے"

عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کا ذکر گزر چکا ہے کہ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کتنی محبت کیا کرتے تھے اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ وحی الہی کا جاننے والا چھوڑا ہو۔" ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یادت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے جب ہم غائب ہوا کرتے تھے اور انہیں اجازت مل جاتی تھی جبکہ ہم روگ دیئے جاتے تھے۔" (مسلم فضائل ابن مسعود)۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا تو اہل کوفہ کے نام اپنے خط میں لکھا "میں نے تمہارے رضی اللہ عنہ کو تمہارا امیر اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چیدہ اصحاب اور اہل بدر میں سے ہیں۔ لہذا ان کی بات خوشدلی سے سنو اور ان کی پیروی کرو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمہارے پاس بھیج کر میں نے تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔" عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہ صحابی رسول ہیں جن کے قلب و لسان پر اللہ نے حق جاری کر دیا تھا اور متعدد بار آیات قرآنی سے ان کی رائے کی تائید فرمائی تھی۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی غلیظ فضیلت اور عظمت کے بیان میں عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شہادت بلاشبہ بڑی وقتی ہے۔ درحقیقت صاحب فضیلت ہی صاحب قادر شناس ہو سکتا ہے۔ حاکم کی ایک طویل روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تم لوگوں سے اس چیز پر راضی ہوں جس پر عبد اللہ رضی اللہ عنہ تم سے راضی ہے۔"

الغرض عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں جن میں سے ہم نے چند کا تذکرہ کیا ہے ان کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اس سلسلہ میں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ گھر آتے تو دروازے پر پہلے کھنکارتے پھر اندر داخل ہوتے۔ ایک مرتبہ وہ گھر آئے تو بیوی نے سب رضی اللہ عنہما کے گلے میں ایک دھاگہ بندھایا تو فرمایا "یہ کیا ہے؟" بیوی نے جواب دیا کہ اس پر میری آنکھ کے لئے دم کیا گیا ہے۔ آپ نے اسے توڑ کر پھینک دیا اور کہا "آلہ عبداللہ کو شرک سے لیا قرض؟" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ دم تعویذ اور تولد (محبت کا تعویذ) سب شرک ہے۔" روایت کے آخر میں ہے کہ پھر آپ نے زینب رضی اللہ عنہا کو ایک مستون دعا بھی بتائی (ابن ماجہ، ابوداؤد، کتاب الطب، باب تحقیق التہائم و مسند احمد) شرک سے واقعی ایسی ہی نفرت ہوتی چاہئے کیونکہ یہ سب سے بڑا منکر ہے۔ ثور عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی انکس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "جو اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شریک نہ تھا تو وہ جہنم میں جائیگا" اور پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ جو اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔" (مسلم، کتاب الایمان و مسند احمد)

ایک مرتبہ شہاب بن الارباب رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو ان سے فرمایا "کیا ابھی تک اسے اتارنے کا وقت نہیں آیا (یعنی آپ کو ابھی تک اس کی حرمت کا علم نہیں) تو شہاب رضی اللہ عنہ نے فوراً انگوٹھی اتار دی۔ (بخاری۔ کتاب المغازی)۔ ایک موقع پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ نے لعنت فرمائی ہے گوونے والیوں اور گدوانے والیوں پر، بال نوچنے والیوں پر، حسن کے لئے دانتوں کو کشادہ کرانے والیوں پر اور اللہ کی خلقت بدلنے والیوں پر" ام یعقوب رضی اللہ عنہا نے کہا "آپ نے اس طرح لعنت کی ہے؟" فرمایا "میں کیوں نہ اس پر لعنت کروں جس پر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور وہ کتاب اللہ میں موجود ہے۔ ام یعقوب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے تو پورا قرآن پڑھ لیا ہے اس میں تو یہ نہیں ہے۔ فرمایا "اگر تم نے پڑھا ہوتا تو ضرور تمہیں ملتا کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دے دیں اسے لو اور جس سے منع کرو اس سے رک جاؤ۔" (الحشر)۔ خاتون نے کہا "ہاں پڑھا ہے۔" فرمایا "تو بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔" انہوں نے کہا تمہاری بیوی تو ایسا کرتی ہیں۔ فرمایا جاؤ دیکھ کر آؤ۔ وہ دیکھ کر آئیں اور کہا کہ میں نے ایسی کوئی چیز نہیں پائی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہوتی تو میں اسے اپنے پاس نہیں رکھتا (یعنی طلاق دے دیتا)۔" (بخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ الحشر)۔ ان احادیث سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں قرآنین نبوی کی کتنی اہمیت تھی اور وہ انہیں بھی گویا کتاب اللہ ہی سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ نیک بن سنان نے ابن مسعودؓ سے پوچھا کہ (قرآن میں) من ماء عذیر اسن ہے یا من ماء عذیر لاسن؟" عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ "کیا تم نے اس کے علاوہ پورا قرآن پڑھ لیا ہے؟" انہوں نے کہا "ہاں! میں تو ایک رکعت میں مقبل کی تمام سورتیں پڑھ لیتا ہوں" آپ رضی اللہ عنہ نے کہا "یہ تو اشعار پڑھنے کی طرح ہے (یعنی اتنی جلدی اور قیادہ نہیں پڑھنا چاہئے)" پھر فرمایا " (مشریب) ایسی قومیں پیدا ہوں گی جو قرآن پڑھیں گی لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ البتہ جب (قرآن اس طرح پڑھا جائے کہ) دل میں اتر جائے تو وہ نفع دیتا ہے۔" (مسلم، کتاب الصلوۃ باب ترتیل القراءة)۔ ان چند واقعات سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بلاشبہ ان چیدہ صحابہ کرامؓ میں بلند مقام و مرتبہ کے حامل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر بخشی سے نکل کر آئے تھے۔

من راي منكم منكموا للبقير بيد فان لم يستطع لسانه و انه لم يستطع لقلبه و فانك انصف
الایمانہ (مسلم)

ترجمہ نہ تم میں جو کوئی منکر دیکھے اسے چاہئے کہ ہاتھ سے روک دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو
زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جائے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث اتنی ہی بیان کرتے تھے جتنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی تھی، فرمایا کرتے
تھے کہ جو شخص کل (یعنی روز قیامت) اللہ سے مسلم بن کر ملنا چاہے تو اسے چاہئے کہ ان فرائض کی حفاظت کرے (مسلم)۔
القرض عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جہل العلم و صاحب فضل کے تذکرے حدیث و تاریخ کے صفحات میں بکھرے
ہوئے ہیں اور راہ اسلام میں ان کی قریائیاں، استقامت اور ثابت قدمی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ایک بچے موجد اور تخلص
مسلم کا دل تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے صحابی رسول کی محبت و الہامانہ عقیدت کے جذبات سے سرشار ہونا چاہئے
لیکن براہو مسلک پرستی کا کہ آج تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بھی زبان طعن و راز ہے! روافض و نواصب تو
خیر بغض صحابہ میں یہ طوطی رکھتے ہیں، لیکن بعض دوسرے فرقے بھی کچھ کم نہیں، مثال کے طور پر اہلحدیث اور انکا ذیلی فرقہ
جماعت المسلمین جس کے امیر مسعود احمد بی السی سی ہیں، یہ مسلکی تعصب کی بنیاد پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر الزام
تراشی و اہتمام طرازی کی روش اپناتے ہوئے ہیں۔ ان کو سوچنا چاہئے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی جرم ہے تو کیا
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول نہیں ہیں؟ ان کی نظر میں ان کا قصور یہ ہے کہ وہ تکبیر اقتحاج کے علاوہ رفع
الیدین نہیں کرتے تھے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قراءت کے قائل نہ تھے۔ دراصل انہی چند فروعی اختلافی مسائل پر (جو

”ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سے زیادہ وحی الہی کا جاننے والا چھوڑا ہو“

دور صحابہ میں موجود تھے) مسلک اہلحدیث اور ان کے ذیلی گروہ، نام و نوا جماعت المسلمین کا انھما ہے بلکہ ان پر تو ان کی
میت و زندگی کا دامودار ہے، اگر یہ عبداللہ کو قید تسلیم کر لیں، جیسا کہ ان کا حق ہے، تو ان کے موقف و مسلک کی
عمارت یکسر منہدم ہو جائے گی۔ لہذا یہ دونوں گروہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے رہتے
ہیں۔ انہیں عقائد و ایمانیات، توحید و شرک اور طائفوں کے عنوانات سے واجبی سامی تعلق ہے کیونکہ دیگر فرقوں کی طرح
یہ خود ایمان و عقیدہ میں کفر و شرک سے آلودہ ہیں۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل چیزیں ان کے عقیدے میں شامل ہیں۔

✽ جسد منصری میں قیامت سے پہلے ہی روح لوٹ آنا

✽ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننا

✽ درود و سلام اور دیگر اعمال کا ان پر پیش ہونا

اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات اور حقوق و اختیارات میں اس کے بندے کو شریک ٹھہرا لیا ہے۔ غور کیجئے کہ جب اکابر پرستی کا شر اس طرح قلب و ذہن پر طاری ہو جائے کہ شرک کو شرک نہ سمجھا جائے اور ایمان کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے تو پھر ایسے اکابر پرستوں کی زد میں آکر صحابی رسولؐ بھی آجائے تو کیا تعجب ہے! کبھی اس محترم فقہ الامت اور بہترین قاری پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ قرآن مجید نہیں پڑھتے! اور اس کی دلیل میں جو چند روایتیں پیش کرتے ہیں ان سے محض اختلاف قرأت ہی ثابت ہوتا ہے اور اختلاف قرأت میں بھی وہ اکیلے نہیں بلکہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اختلاف قرأت روایات سے ثابت ہے۔ پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کو ہدف بنانا مسلک پرستی کا شاخسانہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اختلاف قرأت کے مسئلہ پر ابو بکر ابن ابی داؤد کی کتاب "المصاحف" ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور دیگر کتب احادیث اور آثار بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ ان دلائل و شواہد سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ الزام تراشی بے بنیاد بلکہ محض افتراء پر داری ہے۔ اب سطور ذیل میں ہم ان مسلک پرستوں کی جھگ نظری اور بعض صحابہؓ کے کچھ اور نمونے پیش کرتے ہیں۔

تمام تہاد جماعت المسلمین کے امیر مسعود احمد صاحب اپنی مسلکی صلوٰۃ کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بالفرض اگر ابن مسعودؓ کی حدیث حسن یا صحیح بھی ہو تو ایک صحابی کی روایت تمام صحابہؓ کے مقابلے میں کچھ ہے پھر ابن مسعودؓ سے اور بھی بہت سی بھول ہو گئی ہیں جن میں سے چند پہلے لکھ چکا ہوں۔ اسی لئے امام ابو بکرؓ نے اسحاقؓ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث رفع یدین کی حدیث کے مساوی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔۔ اور ابن مسعودؓ کا اس کو بھول جانا کچھ تعجب نہیں کیونکہ وہ سو دس تین کا قرآنی سورتیں ہونا بھول گئے، تھقیق کا منسوخ ہونا بھول گئے۔۔۔۔۔" (ادبیہ و غیرہ)

اور اس طرح دس باتیں گنوا کر کہتے ہیں:

"یہ کیا ہویں بھول ہے" (تلاش حق ص ۸۶)

پھر اسی کتاب میں اس سرخی کے ذیل میں کہ "حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو اوائل اسلام کی نمازیں یاد رہیں" لکھتے

ہیں:

"عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع یدین کی حدیث کے متعلق ایک بات یاد آتی ہے کہ ان کی نماز میں منسوخ شدہ یا اوائل اسلام کی بعض باتیں بھی شامل ہو گئیں ہیں۔ معلوم نہیں انہیں طرح و منسوخ کا علم ہوا یا نہیں اور اگر ہوا تو بیجا ہے میں یا اس سے پہلے ہی بعض باتوں کو بھول گئے۔" (ص ۹۰)

ذرا غور فرمائیے! کہ ان الفاظ سے کس قدر بغض و کدورت چھلکتی ہے! ایک جلیل القدر صحابی رسولؐ کی شخصیت سے! پھر کوئی مسلکی عصبیت سے! اور وہ دل کا غبار اس طرح نکالتا ہے کہ چونکہ عبد اللہؓ بہت قدیم تھا لہذا ہو سکتا ہے کہ وہ آپؐ کو رفع یدین کرتے نہ دیکھ سکے ہوں! قابل غور بات یہ ہے کہ محدثین اور ماہرین رجال تو جرح و تعویل کو تابعین تک ہی محدود رکھتے ہیں جبکہ یہ فرقہ پرست "تقلید اعلیٰ اور ذہن پرستی کا شعار تمام اخلاقی حدود و پھلانگ کر ایک جلیل القدر صحابی کی تنقیص اور علیم المرتبہ فقہ کی کردار کشی سے بھی باز نہیں رہتے۔ مسلکی عصبیت نے ان کو بالکل ہی اندھا کر دیا ہے اور اللہ کے اس فرمان کے صداق بن گئے ہیں۔

فَانْهَآ لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلَكِنْ الْقُلُوبُ النَّاسِ إِلَى الصَّلٰوةِ (الحج : ۳۶)

ترجمہ : "اس لئے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

ہر جگہ کہ الزام تراشیں مسلکی بغض و عنیت ہی کا غیر سنجیدہ مظاہرہ ہیں اور اس لائق نہیں کہ اس پر علمی بحث کی جائے پھر بھی مغالطہ آرائی اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کے اعتقاد کو تھیں پہنچانے کے لئے شیطانی مہم کا مہذباب ہونا چاہئے چنانچہ فی الحال ان کے دو بڑے اعتراضات کا علمی جائزہ پیش کیا جاتا ہے جن کو الہدیت اور ان کے ذیلی فرقے کچھ زیادہ ہی اچھالتے ہیں۔

”ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے جب ہم غائب ہوتے

اور انہیں اجازت مل جاتی جب ہم روک دیئے جاتے“

۱۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ معوقین کا قرآنی سورتیں ہونا بھول گئے تھے۔

۲۔ انھیں عدم رفع الیدین والی نماز یاد رہی۔

ان الزامات کا علمی جائزہ پیش کرنے سے قبل یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہو گا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ پر الزام نبیرا کے سلسلہ میں مورودی صاحب بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ ان کے بیباک قلم کی کارستانی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

”صحیح سندوں کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے قرآنی سورتیں ہونے کا انکار کیا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۵۳۹)

صحابہ کرام کے متعلق مورودی صاحب کا مخصوص انداز فکر ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”اس مقام پر اگر آدمی کچھ غور کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آسکتی ہے کہ صحابہ کرام کو بے خطا سمجھنا اور ان کی کسی بات کے لئے غلط کالفاظ سننے ہی تو ہیں صحابہ کا شور مچا دینا کس قدر بے جا حرکت ہے۔ یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جیسے عظیم الشان صحابی سے قرآن کی دو سورتوں کے بارے میں کتنی بڑی چوک ہو گئی۔ ایسی چوک اگر اتنے عظیم مرتبے کے صحابی سے ہو سکتی ہے تو دوسروں سے بھی کوئی چوک ہو جانی ممکن ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۵۵۳)

مورودی صاحب کے علم و آگہی کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے تو ان کا رو بھی فرما دیا ہے۔ جو ابن مسعودؓ پر اس الزام کو جانتے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”کچھ دوسرے بزرگوں مثلاً امام قزوینی امام ابن حزم اور امام محمد بن رازی نے سرے سے اس بات ہی کو

جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے کہ ابن مسعود نے ایسی کوئی بات کہی ہے۔ مگر مستند تاریخی حقائق کو بلا سند رد کر دینا کوئی علمی طریقہ نہیں ہے۔" (تقسیم القرآن جلد ششم صفحہ ۵۳۹)

یہ تو ان کا اپنا انداز ہے کہ قرآن و صحیح احادیث سے متصادم غیر مستند روایات کو ایک جلیل القدر صحابی کی علیت و حجت پر تنقید کی بنیاد بنا کر اس کو ذور قلم کے سہارے "مستند تاریخی حقائق" قرار دے رہے ہیں۔ قرآن و حدیث کے ساتھ اس سے زبان ستم ظریفی اور کیا ہوگی! اب ان الزامات کا مختصر علمی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلے الزام کا ازالہ۔ قارئین! آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علم قرآن اور قہارت کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے دی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا نمایاں مقام ثابت کرنے کے لئے قرآن و صحیح احادیث کی صریح شہادت کے بعد یہ الزام کہ عبداللہؓ مسؤقتین کو قرآن میں شامل نہیں سمجھتے تھے انتہائی کم علمی اور بے جا مبالغہ کا مظہر خیر انداز ہے۔ علامہ ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) اپنی کتاب المحلی میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱۔ "ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورتین اور سورہ فاتحہ نہ ہونے کی ہر روایت بھولی اور گھڑی ہوئی ہے کیونکہ قراۃ عاصم عن زرین عیش عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ثابت ہو چکی ہے اور اس میں سورہ فاتحہ اور مسؤقتین موجود ہیں۔" (المحلی جلد ۱ ص ۱۷۱)

جلال الدین سیوطی (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔

۲۔ "تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مسؤقتین اور سورہ فاتحہ قرآن کا جزو ہیں اور جو اس کا انکار کرے گا وہ مسلمان نہیں رہ سکتا اور جو عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف نسبت کی گئی ہے وہ جھوٹ ہے ہرگز صحیح نہیں۔" (نوی (المتوفی سنہ ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۷۷۲ پر لکھتے ہیں۔

۳۔ "اس میں واضح دلیل ہے مسؤقتین کا قرآن میں سے ہونے پر اور وہ اس شخص پر جس نے ابن مسعودؓ کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا ہے۔"

اور شرح منہج میں فرماتے ہیں۔

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت کیا گیا ہے وہ باطل ہے درست نہیں۔"

غزالی (المتوفی سنہ ۶۰۶ھ) تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

۴۔ "غالب گمان یہی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول یہ بات جھوٹ اور باطل ہے۔"

نواب صدیق حسن خان بھوپالی (الحدیث) لکھتے ہیں۔

۵۔ "علامہ نووی نے مقال میں کہا ہے کہ جو بات انکار مسؤقتین کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں بلکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے قرات کے ساتھ روایات

ہمارے نزدیک ثابت ہیں جن میں حضرت عبداللہؑ نے خود فرمایا ہے کہ معوذتین قرآن میں سے ہیں اور ان کے بغیر قرآن کا غنم بھی مکمل نہیں ہوتا (علامہ قزوینی فرماتے ہیں) کہ یہ احادیث کئی سندوں سے صحیح ثابت ہو چکی ہیں اور معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ " (نزل الابرار صفحہ ۳۳) اسی صفحہ پر مزید لکھتے ہیں۔

۶۔ "امام طبرانی نے اپنی کتاب الاوسط میں ایک حدیث کا اخراج کیا ہے جس کے تمام راوی اللہ ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن مجید کی چند ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی شان والی (تعوذ کے باب میں) اور نازل نہیں ہوئیں اور وہ آیات معوذتین ہیں۔"

پس ثابت ہوا کہ معوذتین کے انکار کی نسبت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف محض جھوٹ و افتراء ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ایسے کفر کو کسی صحابیؓ کی طرف منسوب کرنا بڑی دیدہ دلیری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد رکھنا چاہئے کہ "لا تسبوا صحابی" (میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا مت کہو)۔ یہ الزام تراشی اور افتراء پر وادی بغض صحابہؓ کی بدترین مثال ہے۔ ابو ذرؓ کہتے ہیں:

"جب تم کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ پر تنقید کرتا دیکھو تو یقین کر لو کہ وہ ذنوبی اور بد اعتقاد ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں اور قرآن بھی برحق ہے اور ہم تک تو یہ قرآن کریم اور منہن نبویہ صحابہ کرامؓ نے ہی پہنچائی ہیں تو ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو بھڑک کر دیں تاکہ کتاب و سنت سے اعتماد اٹھ جائے حالانکہ یہ لوگ خود جرح کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہ زنا و فحشاء اور بے دین ہیں۔" (۸ کفایہ فی علم الراوی صفحہ ۳۹ خطیب بغدادی)

یہ قول متعدد علماء اصول حدیث نے روایت کیا ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا یہ مسلک پرست اپنے آپ کو زنادقہ میں شمار کرنا پسند کریں گے؟

دوسرے اعتراض کا ازالہ۔ رکوع سے قبل اور رکوع کے بعد رفع الیدین اور عدم رفع الیدین (رفع الیدین کرنا یا نہ کرنا) دونوں عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اس لئے دونوں ہی کو درست سمجھنا اور دونوں ہی پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ ایک فردی مسئلہ ہے جو قرون اولیٰ سے چلا آ رہا ہے اور کبھی صحابہؓ یا تابعینؓ وغیرہ میں اختلاف و جنگ و جدل کا سبب نہیں بنا بلکہ اس کی حیثیت محض ترجیح کی رہی ہے یعنی بعض نے رفع الیدین کو ترجیح دی اور بعض نے عدم رفع الیدین کو۔ خود نبی علیہ السلام سے ان کے بارے میں کوئی قوی حکم ثابت نہیں۔ رفع الیدین کو ثابت کرنے والی احادیث تقریباً تمام کتب حدیث و آثار میں موجود ہیں عدم رفع الیدین کی دلیل میں بھی متعدد روایات ہیں جن میں جامع ترمذی کی مندرجہ ذیل روایت بہت واضح اور صریح ہے۔

”علم سے روایت ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھ کر بتاؤں؟ (یعنی یہ کہ آپ کس طرح صلوٰۃ ادا کیا کرتے تھے) آپ نے صلوٰۃ ادا کی اور سوائے پہلی بار رفع الیدین نہ کیا۔“ اس باب میں برام بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ ابو یسٰی (امام ترمذی) کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے ”متحد علامہ صحابہ و تابعین“ کا یہی عمل ہے اور یہی کہنا ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا۔“

ترمذی کا اس روایت پر تبصرہ اس پر ویسٹنگٹن کی نقلی کھولنے کے لئے کافی ہے کہ رکوع و سجود میں رفع الیدین کے بغیر صلوٰۃ ہی نہیں ہوتی۔ اس پر ویسٹنگٹن اور باطل موقف کے مطابق تو متحد صحابہؓ اور تابعینؓ کی صلوٰۃ باطل قرار پاتی ہے تو جو جمل صریح!

ابن حزم عبداللہ ابن مسعودؓ کی اسی روایت پر المصنف میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 ”لیکن ترک رفع الیدین کی خبر جب صحیح ثابت ہے تو ہم نے معلوم کیا کہ تحمیر افتتاح کے بعد رفع الیدین محض سنت اور مستحب ہے۔“ (جلد ۳ صفحہ ۸۸)
 اور دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”پس جب خبر صحیح سے ثابت ہو کہ نبی علیہ السلام تحمیر افتتاح کے بعد ہر اور گناہ میں رفع الیدین کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے تو یہ سب (رفع و عدم رفع) مستحب ہے اس میں کوئی قرض نہیں۔ پس ہمیں صلوٰۃ اسی طرح ادا کرنی چاہئے جس طرح رسول اللہ نے ادا کی ہے۔ اگر ہم نے رفع الیدین کر لیا تو ہمارا صلوٰۃ ہو گئی اسی طرح جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی اور نہیں کیا تو بھی اسی طرح ہوگی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرماتے تھے“ (جلد ۳ صفحہ ۲۳۵)

اسی حدیث کی شرح میں احمد محمد شاہر (جو کہ عصر جدید کے ایک محقق گذرے ہیں) شرح جامع ترمذی میں لکھتے ہیں۔
 ”اس حدیث کو ابن حزم نے المصنف میں صحیح کہا ہے۔ اور دوسرے محدثین نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اور بعض لوگوں نے جو اس میں غلط بیان کی ہیں۔ وہ جیسے کئی علت نہیں ہے۔“

یہی بات ان کے دو شاگردوں شعیب الاثاڑہ اور زہیر الشاوش نے ”شرح السنہ“ جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۳ میں کہی ہے۔ مسلک پرستی کا شائبہ نہ دیکھئے کہ حنفیوں نے حدیث رفع الیدین عند الركوع کا انکار کیا تو اجماع نے عدم رفع الیدین کی حدیث کا انکار کر کے حدیث دشمنی کا ثبوت بہم پہنچایا۔ یہاں اس حدیث کی صحت کے متعلق انہی لوگوں کے حوالے پیش

ہرگز ذمہ نظر حدیث کے انکار پر مسعود احمد صاحب بی۔ ایس سی۔ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ فرماتے ہیں ”علامہ احمد محمد شاہر علامہ البانی کے پیشرو ہیں۔ انہوں نے تحقیق کا دروازہ کھولا نہ بہت بڑے محقق تھے۔“ (پمفلٹ ”امام کے دوست“ ص ۳۳)

کے گئے ہیں جو بزم خورشید غیر مقلد ہیں۔ یعنی ان میں کوئی حنفی المذہب نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ”فرقہ اہل حدیث“ کے پیشوا ناصر الدین الہیائی کا اس حدیث پر تبصرہ بھی نقل کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں۔

والحق انہ حدیث صحیح و اسناد صحیح علی شرط مسلم و لم نجد لمن اعلم حجۃ بصلح التعلق

بہا وود الحدیث من اجلہا (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴ حدیث رقم ۸۹)

”اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد شرط مسلم پر صحیح ہیں اور جس کسی نے اسے معلول

قرار دیا ہے اس کے پاس ہم نے کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جس کی بناء پر اسے معلول قرار دیا جائے اور حدیث

کو اس وجہ سے رد کر دیا جائے۔“

اسی روایت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عبداللہ ابن مبارکؒ نے کہا کہ ”لم یثبت حدیث ابن مسعودؓ ان النبی صلی اللہ

علیہ وسلم لم یرفع یدہ الا فی اول موتہ“ یعنی ابن مسعودؓ کی حدیث کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے پہلی بار کے

ہاتھ نہیں اٹھائے“ ثابت نہیں۔ (ترمذی)

اس اعتراض کو پیش کرنے والوں کی یہ مسلکی عصبیت ہی ہے کہ جس نے انہیں اندھا کر دیا ہے کیونکہ ان کا اپنا اصول

یہ ہے کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو کسی امام کا کوئی قول قابل قبول نہیں۔ چنانچہ عبداللہ ابن مسعودؓ کی ترک رفع الیدین

کی حدیث کے صحیح ثابت ہونے کے بعد معتز نہیں کو عبداللہ ابن مبارکؒ کا یہ قول قائمہ نہیں رہتا ہے۔ علاوہ بریں عبداللہ

ابن مبارکؒ کا یہ اعتراض زیر بحث روایت پر نہیں ہے۔ ہماری پیش کردہ حدیث عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد کی بیان کی

ہوئی ایک فعلی مرفوع روایت ہے اور ابن مبارکؒ کا اعتراض عبداللہ کی کسی قولی روایت پر ہے۔ دراصل حدیث کی بہت

سی کتابوں میں یہ روایت مختلف اسناد کے ساتھ مختلف الفاظ میں آئی ہے۔ بہر حال ترمذی کی اس روایت کا ابن مبارکؒ کے

الفاظ سے تقابل کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا اعتراض اس پر نہیں ہے بلکہ کسی اور روایت پر ہے۔ لہذا یہ روایت

بالکل صحیح ہے۔

ابو زرہ کہتے ہیں کہ جب تم کسی کو صحابی رسولؐ پر تنقید کرتا دیکھو تو

یقین کر لو کہ وہ زندقہ اور بد اعتقاد ہے

اس روایت کی سند کے ایک راوی عاصم بن کلیب پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ضعیف ہے جبکہ یہ راوی صحیح

مسلم کا ثقہ راوی ہے اور مسعود احمد صاحب کے قاعدے کے مطابق تو اس پر کوئی جرح ہو بھی تو وہ کالعدم ہوگی جیسا کہ انہوں

نے ”تذہین پر مئی“ میں زاذان کی قرآن و حدیث کے خلاف روایت کے بارے میں لکھا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بھی عاصم

(باقی صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

(ترجمہ)۔ ”(اے نبی!) اپنی بیویوں سے کہو۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی نعمت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کروں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کی طلبکار ہو تو جان لو تم میں سے جو نیکو کار ہیں اللہ نے ان کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے ازواجِ نبی! تم میں سے جو کوئی کسی صریح فحش کا ارتکاب کرے گی اسے وگناہِ ذاب دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ آسان ہے۔ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و قربان برداری کرے گی اور نیک عمل بجا لائے گی اسے ہم وہرا اجر دیں گے۔ اور اس کے لئے ہم نے رزقِ کریم تیار کر رکھا ہے۔ اے ازواجِ نبی! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دلی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی غرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے۔ بلکہ صاف میری بات کرو۔ اپنے گھروں میں (باوقار طریقے سے) قرار پکڑو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی حج و حج نہ دکھاتی پھرو۔ صلوة قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے تم اہل بیت سے گندگی کو دور کرو گے اور تمہیں خوب طرح سے پاک کر دے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں تمہیں سنائی جاتی ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ باریک بین اور باخبر ہے۔“

آیات بالا میں شروع سے آخر تک ازواجِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ انہی کے بارے میں ساری باتیں ہیں، انہی کی فضیلت کا بیان ہے۔ انہی کو نافرمانی کی صورت میں دہرے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ انہی کو سابقہ جاہلیت کی حج و حج سے منع کیا گیا ہے۔ انہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریک حیات بنے رہنے یا علیحدہ ہو جانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ انہی کو کامل پاکیزگی کا مژدہ سنایا گیا ہے اور انہی کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ آیات مذکورہ میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے یہ صرف ازواجِ النبیؑ کو محیط ہے۔ کسی اور کے لئے یہاں کوئی کنجائش ہے نہ قرینہ۔ ان آیات میں سے ازواجِ مطہرات کو خارج کر کے دوسروں کو زبردستی داخل کرنا ایک ایسی سنگین اور منفی جسارت ہے کہ بڑے سے بڑے دشمن اسلام کو بھی ایسا تصور کرتے وقت اپنے علم کو صفر درجے پر لانا پڑے گا لیکن اس عقیدہ بدمذہب اجماع پر ڈٹ جانے والوں نے اپنے کمزور موقف کے تحفظ میں عربی قواعد کے بظاہر لاجواب کر دینے والے ایک نکتے کا سہارا لیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی زبان سے بے بہرہ یا سطحی علم رکھنے والا لاجواب ہو جاتا ہے۔ عوام سے اس قسم کی علمی مویشگافی، جستجو یا تحقیق کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے پرائمری اسکول کے کسی طالب علم سے یہ توقع رکھنا کہ وہ قرآنِ محدث اور فقہ پر ایک مقالہ سپرد قلم کر دے۔ لیکن عربی کی فصاحت و بلاغت سے آشنا کسی بھی فرد کے لئے یہ معاملہ کسی البصیر کا باعث نہیں ہو سکتا۔ قرآن کو ہانچھ اطفال اور کمالات کا تختہ مشق بنانے والوں کو ان آیات کے خوردبینی اور دور بینی مطالعہ کے بعد جو کچھ سمجھائی دیا وہ عجیبی چٹنی سے عربی ضمیر ”کلم“ پکڑ کر لے اڑنے کے سوا کچھ نہیں۔ وہ بی بی بنی زہرا وار دلیل (بزرگم خولیں) یہ دیتے ہیں کہ۔ ”ان آیات میں شروع سے آخر تک جمع غائب مونث کا صیغہ آیا ہے مگر ایک آیت کے آخر میں جمع غائب مذکر کی ضمیر ”کلم“ آتی ہے جس سے یہ

ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت تطہیر قاطبہ "علیٰ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے لئے مخصوص ہے۔ انجالی طور میں قرآن مجید ہی کے حوالے سے اس مستحکم خیر اور باطل عقیدے کی تردید کی جارہی ہے۔ یہ کتنا دلچسپی و عبرت سے غالی نہیں کہ اہل سنت والجماعت کھلانے والوں میں سے بھی بہت لوگوں کا عقیدہ یہی ہے!

ہماری تحقیق اور استدلال کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ لفظ "اعلیٰ" جب بھی لفظ "بیت" کی نسبت سے آئے گا تو اس کے لئے بیش جمع مذکر ہی کا صیغہ آتا ہے خواہ واحد ہو، متشدد ہو، جمع ہو، مذکر ہو یا مؤنث، ہر صورت میں جمع مذکر ہی آتا ہے۔ بلکہ بعض حالات میں بیت کی نسبت کے بغیر ہی جمع ذکر آتا ہے۔ سب سے پہلے قرآن مجید سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

○ سورۃ صود کی آیات ۱ تا ۱۰ سامعے رکھئے ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ انہیں اولاد کی بشارت دیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پاس ہی کھڑی ہیں۔ یہ بات سن کر ان پر ہلکی ہلکی آواز آتی ہے۔ "ہائے میری کم بختی! کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جبکہ میں بالکل ہی بوڑھی ہو گئی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہو چکے ہیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" یہ سن کر فرشتے کہتے ہیں :

اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم اهل البیت....

"کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ ابراہیم کے اہل بیت؟ تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں"

عربی زبان کا ایک مقدمی بھی جانتا ہے کہ "تعجبین" واحد مخاطب مؤنث کا صیغہ ہے۔ بوٹھی "اہل البیت" آیا یہ جمع مخاطب مذکر "کم" کے معنی میں آیا۔ ضمنیہ بھی ذہن میں رکھئے کہ فارسی میں "بیت" کو "خانہ" کہتے ہیں اور فارسی ترکیب میں بیوی کے لئے اہل خانہ آتا ہے۔ جسے عربی زبان کے سانچے میں ڈھالیں تو "اہل البیت" ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرشتے اپنے خطاب میں کہتے ہیں..... "اے ابراہیم کے اہل بیت! کیا تم اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہو؟"

○ اب سورۃ طہ کی آیات ۱۰ اور ۱۱ سامعے رکھئے۔ موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کے واپسی سفر پر ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی ہیں۔ سخت سردی کا زمانہ ہے۔ سینا کی وادی ہے اور ایک صورت حال سے دوچار ہیں۔ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :

(عربی متن ملاحظہ ہو)

"اذرا نارا فقال لاهلہ امکتوا الی انست نارا....."

"جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنے اہل سے کہا اذرا نارا تم میں نے آگ دیکھی ہے۔"

اس خطاب میں وہ اپنی بیوی کو جمع ذکر کے معنی امکتوا میں لے آتے ہیں۔ اور اس کے بعد ایک اور بات کہتے ہیں۔ "اعلیٰ انکم منها قبس" : "شاید کہ اس میں سے میں تمہارے لئے کوئی افکار الے آؤں۔" عربی زبان کی معنوی سی شدہ بدھ رکھنے والا بھی یہ جانتا ہے کہ "کم" جمع مخاطب مذکر کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہاں واحد مخاطب مؤنث کے لئے آیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "اہل" شادی کے لئے بھی آتا ہے۔ مثلاً اہل : شادی کرنا یا شادی ہونا۔ اہل : شادی کرنا یا زوجیت میں داخلہ۔ اہل الرجل : بیوی (توالد القاموس العصری ناؤرن عربی

انگریزی لفظ "احل" دیگر معنوں میں بھی آتا ہے جیسے اہل علم، اہل دین، اہل وطن، اہل خدمت، اہل چمن، اہل قرآن وغیرہ لیکن یہی لفظ جب "حیث" کے ساتھ آتا ہے تو اس کا اس کے معنی بیوی کے ہوتے ہیں۔

○ اب سورۃ النمل کی ساتویں آیت دیکھئے۔ موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ ہے۔

اذ قال موسى لاهله اني انتن فاراۃ ۛ ساتنکم بنہا بغير او اتنکم بشہاب فبس لعنکم نسطلون

"جب موسیٰ نے اپنے اہل (بیوی) سے کہا کہ مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے۔ میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خیر

لے آتا ہوں یا کوئی انکار ہی چن لاتا ہوں تاکہ تم آگ تپ نہ لو۔"

دیکھئے "اہل بیوی" ہے جنہیں موسیٰ علیہ السلام چمن یا ریح مخاطب ذکر "کم" کے معنی میں لاتے ہیں۔

○ ہم نے سورۃ ہود کی آیات ۷۱ تا ۷۳ میں دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو فرشتوں نے جمع مخاطب ذکر کے

معنی میں خطاب کیا۔ اب سورۃ الذاریات کی آیات ۲۳ تا ۳۰ ملاحظہ فرمائیے:

..... لا قبلت امراتہ فی صرة فصکت وجہہا وقالت عجوز عقیم ○ قالوا کنالک ○ قال ربک ۛ

"یہ سن کر اس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگی "ہوڑھی" یا "نچھ" انہوں

نے کہا "میں بھی کچھ فرمایا ہے تیرے رب نے" (الذاریات: ۲۹ تا ۳۰)

اس مقام پر چونکہ لفظ "احل" کی بجائے امراتہ آیا ہے۔ لہذا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے لئے دو مرتبہ واحد مخاطب

موت کی تحریر "کم" آئی ہے۔

○ اب بیت کی واضح تشریح سورۃ القصص کی ابتدائی آیات ۱۳ میں آئی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو اللہ کی

طرف سے اشارہ ملتا ہے کہ اسے دودھ پلاؤ اور جان کے خطرے کی صورت میں اسے دریا میں پھینک دو۔

واصبح نوادام موسیٰ فرعاً ۛ ان کانت لتبذی بہ لو لا ان ربطنا علی قلبہا لتکون من المومنین ○

وقالت لاخہ قصہ لبعیوت بہ عن جنب وہم لا یسعون ○ وحرمتا علیہ المراضع من قبل فقالت

هل اتکم علی اہل بیت یکتلونہ لکم وہم لہ ناصحون ○ فودعہ الی امہ کی تقر عینہا ولا تعزن

ولتعلم ان وعدہ اللہ حق ولكن اکثرہم لا یعلمون ○ (القصص: ۱۰ تا ۱۳)

اللہ صبح موسیٰ کی ماں کا دل اڑا جا رہا تھا۔ وہ اس راؤ کو قاش کر بیٹھتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے تاکہ

وہ (ہمارے دھارے پر) ایمان لانے والوں میں ہو۔ اس نے بچے کی بہن سے کہا "اس کے پیچھے پیچھے جا۔

چونکہ وہ (بچہ) اس کو اس طرح دیکھتی رہی کہ دشمنوں کو اس کا پیٹ نہ چلا۔ اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ

پلانے والوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اس لڑکی نے ان سے کہا "میں تمہیں احل بیت کا پیٹ

دوں ہوا اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ اسے رکھیں؟۔ اس طرح ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس چلا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ ٹھیک نہ ہونے پائے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا۔ مگر لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ اس بات کو نہیں جانتے۔

آپ نے دیکھا کہ آیات بالا کا محور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن قرعون اور اس کے گھروالوں کو مشورہ دیتے ہوئے ایک دورہ پلانے والی کا اہتمام کرتی ہیں اور ایک ہی عورت یعنی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے لئے اہل بیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور اس اہل بیت کی نسبت سے یہاں (یہ کفیلونہ) فعل کا صیغہ جمع ذکر آیا ہے اس طرح ہمیں قرآن کریم سے تین واضح مثالیں مل جاتی ہیں کہ اہل بیت صرف وہی (گھروال) کے لئے آتا ہے اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان رضی اللہ عنہ یا علیؑ، فاطمہؑ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بھی اہل بیت کہا ہے یہ بخاری مسنون میں ہے۔ اس اہل بیت ہویاں ہی ہوتی ہیں۔

○ اگر لفظ اہل بیت بھی ہو اور مخاطب صرف عورتیں ہوں جب بھی بعض مواقع پر جمع ذکر ہی کے صنف میں لانا درست ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پہلی وحی کے نزول کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لا کر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں "وَقُلُونِي" مجھے چادر اوڑھنا مجھے چادر اوڑھنا۔ (بخاری۔ کتاب الوثی)

ایکلی ہوی ہیں اور انہیں جمع ذکر کے صنف میں خطاب کرتے ہیں۔

○ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منہ کو ام المؤمنین ام سلمہؓ کے ہاں بیٹھے ہاتھ کرتے ہوئے سن کر فرمایا : لَا يَدْخُلْنَ هُنَا عَلَيْكُمْ "یہ تمہارے پاس ہرگز نہ آیا کرے۔" (بخاری۔ کتاب النکاح)

خطاب ہے ایک ام المؤمنین سے مگر صیغہ جمع مخاطب ذکر (کم) آیا ہے۔

○ مرضی وفات میں بخاری شدت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے خطاب ہو کر فرماتے ہیں۔ هُنَّ قَوَا عَلَيَّ سَبْعَ قُرْبَى "مجھ پر سات شکریے ادا کیے۔" (بخاری۔ کتاب المغازی)

دیکھ لیجئے خطاب ازواج سے ہے مگر صیغہ جمع ذکر کیا آیا ہے۔

○ خلیفہ ہارون الرشید کی ہوی زیدہ نے جب نہر مکمل کروائی تو اس کی مدح میں ایک شاعر کہتا ہے۔

یا	اہل	بیت	خلیفۃ	اللہ	الغنی
یا	اللہ	انتم	زیدۃ	النسوان	

اے خلیفہ کی اہل بیت (ہوی) تو تو ہورتوں کا خلاصہ (کھمن) ہے۔

شاعر واضح طور پر ایک عورت سے مخاطب ہے لیکن اس کے لئے صیغہ جمع ذکر کا لایا ہے یعنی "انتم"۔

○ راقم الحروف کے عملی کے استاد مکہ مکرمہ کے ایک بی ایچ ڈی استاد تھے۔ یہ ڈگری انہوں نے فتویات یعنی لسانیات (LANGUAGES) میں حاصل کی تھی۔ ایک مرتبہ ملاقات کے موقع پر پوچھ بیٹھے کف حالنا؟ (تاری کیا حال ہے؟)

میرے تہذیب اور ذہنی الجھاؤ کو بھانپ کر کہنے لگے ”ہماری عرب تہذیب اور آداب میں اپنے مخاطب کا حال جمع مکمل کے
بجھ میں پرچھا ایک شائستہ بات سمجھی جاتی ہے۔ ان کا نام نوادر محمود السندی تھا اور ۱۹۷۷ء تا ۱۹۷۸ء میں علامہ اقبال اوپن
یونیورسٹی اسلام آباد میں عربی کی مدرسے کے سلسلہ میں اپنے قرائن و انجاء دے رہے تھے۔

ان مثالوں سے یہ تو واضح ہو گیا کہ خاص حالات میں عورتوں کے لئے جمع مذکر ہی کا صیغہ آتا ہے، خواہ معاملہ ایک کا ہو
یا لوگوں تک اور ان مثالوں کے تناظر میں نہایت خوبی کے ساتھ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہو چکی کہ ازواج نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے لئے جمع مذکر ”مکم“ کے صیغے کا اللہ کی طرف سے استعمال کسی حیرت و استعجاب کا باعث نہیں۔ اور خود قرآن مجید
عیسائی اس کے نظائر بھی مل گئے۔ اور اب جبکہ اس بات میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں رہ گیا کہ ازواج مطہرات ہی اہل بیت
ہیں۔ تو کھینچنا ہم سب مل کر کسی طرح غیر ازواج النبیؐ کو اہل بیت کے زمرے میں لانے کی کوشش کریں؟ اس کوشش
میں سورۃ الاحزاب کی زیر بحث ساتوں آیات کا بیج بڑھنا پڑے گا۔

○ آیت ۲۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا اور اس کی نعمت کی
طلبکار ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بطریق احسن فارغ کر دیں۔ اسی اختیار کی وجہ سے یہ آیت ”آیت
تخلیو“ بھی کہلاتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ معاملہ ترک و اتھاہ صرف ازواج النبیؐ سے مخصوص ہے اور ان
کے علاوہ کسی اور کو اس دائرے میں لے آنے والے کو ایک دیوانہ بھی دیکھنا ہی کہے گا۔

○ آیت ۲۹ میں ازواج النبیؐ کو دار آخرت کی طلبکار ہونے کی شرط پر اجر عظیم کی قرآنی کی نوید سنائی
گئی ہے۔ اگر ہم چاہیں بھی تو اس آیت میں نبیؐ کی بیویوں کے علاوہ کسی اور کو شامل کر ہی نہیں سکتے۔

○ آیت ۳۰ میں ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح قرآن کے احکام کی صورت میں دہرے
عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اب اس وعید میں علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ رضی اللہ عنہم کو کس قاعدے
کھینچنے کے تحت شامل کیا جاسکتا ہے؟

○ آیت ۳۱ میں ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرباں پرواری رسولؐ کے انعام کے طور پر رزق
کریم کا وعدہ دیا جا رہا ہے۔ یہ وعدہ ازواج نبیؐ ہی سے مخصوص ہے۔

○ آیت ۳۲ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے خطاب کر کے انہیں باقی تمام عورتوں سے ممتاز و ممتاز
کر کے کھری بات کہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ خطاب براہ راست ازواج النبیؐ سے ہے اور مسئلہ بھی عورتوں
کا ہے اب اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی، داماد اور نواسلوں کو کیسے شامل کریں؟ ہے کوئی سلیقہ یا قرینہ؟

○ آیت ۳۳ میں ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں کھے رہنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ
سابقہ جاہلیت کے تہذیب سے منع کیا گیا۔ اور اسی آیت میں ازواج نبیؐ کو مکمل پاکیزگی عطا کرنے کی بات کی گئی
ہے اور انہیں اہل بیت کہا گیا ہے۔ انہی کی تعلیم کامل کا ذکر اللہ نے کیا ہے۔

○ آیت ۳۳ میں ازواج مطہرات کو اپنے گھروں میں کتاب و حکمت کی باتیں یاد کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور کون نہیں جانتا کہ کتاب و حکمت کی باتیں یاد کرنے والوں میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سرفہرست ہیں۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ان تمام آیات میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے ہے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خطاب کے دائرے سے باہر ہیں کیونکہ آپ کو اپنی ازواج سے یہ خطاب کرنے کا حکم ملا۔ اور دو مقامات پر اللہ تعالیٰ نے براہ راست فناء النبیؐ کو خطاب کیا ہے۔ ایک مقام پر بیویوں کے لئے محنت کا لفظ آیا ہے۔ یا ایہی مقامات پر جمع مونث کے لئے نون النسوة آیا ہے، چار مقامات پر واحد غائب مونث کے لئے ضمیر متصل ”ہا“ آئی ہے۔ چھ مقامات پر فصل مضارع کے ساتھ تائے تانیث آئی ہے، الغرض ساتوں کی سات آیات میں ۳۳ علامات تانیث آئی ہیں اور ایک مقام پر انہیں جمع مذکر کے صفے میں لایا گیا ہے جس کی بھرپور دلیل وضاحت کی جا چکی ہے پھر بھی اگر جمع مذکر کی ضمیر ”کم“ کسی الجھن کا باعث بن رہی ہو تو ایک روز مرد کے محاورہ کلام سے آخری الجھن بھی دور کی جا سکتی ہے۔ اسلام میں زندوں کے لئے سلام مخاطب اور مردوں کے لئے سلام دعا کی ترکیب ایک ہی ہے۔ ”السلام علیکم“ تم سب پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو۔ جمع مذکر (کم) آیا ہے ”خواہ یہ سلام واحد کے لئے تنصید کے لئے ہو یا جمع کے لئے ہو یا مونث کے لئے۔ اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بیوی کو ”اہل بیت“ کہہ کر مخاطب فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر زینب بنت عیش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک بیوی کو سلام کیا، الفاظ یہ ہیں:

السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ

”اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت“ (بخاری: کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الاحزاب) مزید یہ کہ سلام کے بعد آپ نے ہر بیوی کی مزاج پر سی بھی ان الفاظ میں فرمائی:

کیف التم باہل البیت

”اے اہل بیت تمہارے مزاج کیسے ہیں“ (مسلم: کتاب النکاح)

ہدایت ہو کہ اہل بیت ازواج مطہرات ہی ہیں اور یہ کہ ایک بیوی کے لئے جمع مذکر کا صیغہ استعمال ہو سکتا ہے۔ اب عوام و خواص، بجا طور پر یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ ہمیں کس نے گمراہ کیا؟ اس کا جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے اور اسی سورۃ الاحزاب میں ہے:

یوم نقلب وجہہم فی النار یقولون ۱ یٰلینا اظننا اللہ واطننا الرسول ۲ وقالوا ربنا انا اظننا سادتنا وکبرائنا لافضلونا السبیل ۳ ربنا اظننا من العذاب والعنہم لعنا کبیرا ۴ (الاحزاب)

(۶۸ تا ۶۶)

”جس دو زبان کے چہرے آگ پر الٹ پلٹ کئے جائیں گے“ اس وقت کہیں گے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی!“ اور کہیں گے۔ ”اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے مآوات و ماکابر (بزرگوں اور بڑوں) کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے رب! ان کو دہرا عذاب دے اور ان پر بڑی بھاری لعنت کر۔“

حرفِ آخر :- ہم نے قرآن و حدیث اور لغت عرب سے ثابت کر دیا ہے کہ اصل بیت صرف ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور سورۃ الاحزاب کی آیات تخصیص و تظہیر انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور ان آیات میں علیؑ، فاطمہؑ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم وغیرہ کا دور دور تک کوئی نام و نشان بلکہ تصور تک نہیں ملتا اور اپنی طرف سے انہیں شامل کرنا ان کی عظمت کو گھٹانا اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی شان میں سنگین نوعیت کی گستاخی ہے۔ تاہم اگر یارانِ ”مکتہ دہاں“ اس تحقیق کا ردِ قرآن و حدیث اور لغت عرب ہی سے کر سکیں تو چشمِ ماروِشن دلِ ماشاؤ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس تحقیق کو کس چیز سے رد کیا جائے گا؟ اس مقصد کے لئے کوئی دوسرا قرآن چاہئے جو ہمارے علم میں نہیں۔

القرآن حجة لک او علیک

”قرآن تیرے لئے حجت ہے یا تجھ پر حجت ہے“ (قرآن رسولؐ بحوالہ صحیح مسلم)

بقیہ یونس علیہ السلام

یہ انبیاء، علیہم السلام کی قوموں کے واقعات میں ایک نادر مثال ہے کہ کسی قوم نے اللہ کے عذاب کو دیکھ کر معافی مانگی اور وہ ان کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ یعنی ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہے دوبارہ ان کی قوم کی طرف بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے کچھ زائد تھی۔ یونس علیہ السلام نے ان کے سامنے دعوتِ پیش کی۔ قوم ایمان لے آئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک وقت تک دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھانے اور اپنی بندگی کی توفیق سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہدایت سے نوازے اور قرآن و سنت کی تعلیمات پر کماحقہ عمل پیرا ہونے اور اس طرح اپنے مقصدِ ذلت کے حصول کا بھرپور موقع عطا فرمائے۔ آمین :

بقیہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

جب سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایت بیان کرے تو اہل حدیث صاحبان کے نزدیک اللہ ہو جاتا ہے اور عدم رفع الیدین کی روایت بیان کرے تو ضعیف! اسی کو تو مسلک پرستی اور ذہن پرستی کہتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلکی تعصب سے بالا تر ہو کر حقائق کو تسلیم کریں۔ یاد رہے کہ بغضِ صحابہ درحقیقت بغضِ رسولؐ ہے اور بیضِ اعمال کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے مسلک و فرقہ پرستی کے طوق کو اتار بھیجئے اور حقیقی معنوں میں مسلم بن کر دین کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق سے نوازے۔ ہمارے دل میں سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا جذبہ پیدا فرمادے۔ قرآن ہمارے عقیدہ کی بنیاد ہو تو احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے عمل کی اساس! (آمین)۔

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محمّد انوار

قرآن کے بیان کے مطابق یسوع و نصاریٰ نے اپنے پیروں اور مولویوں کو اپنا رب بنا رکھا تھا۔ ان کا رب بنانا اس انداز سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے برخلاف ان کے کہے ہوئے حلال کو حلال اور حرام کو حرام مان لیتے تھے۔ درحقیقت یہ اللہ کو چھوڑ کر پیروں اور مولویوں کو رب بنانا ہی ہے کہ اللہ جسے حلال قرار دے اس کو مولوی کے کہنے سے حرام سمجھ لیا جائے یا جسے اللہ حرام قرار دے اس کو مولوی کے کہنے پر حلال سمجھا جائے۔ گویا کہ شریعت سازی کا اختیار مولوی اور پیر صاحب کے حوالے کر دیا جائے! اس شرک میں جس قدر اہل کتاب جھٹلاتے اس سے کہیں زیادہ یہ موجودہ امت جھٹلا ہے۔ ان کے ہاں بھی دین کا مدار قرآن و سنت کے بجائے مولویوں کے اقوال و فتاویٰ اور ان کی کتابوں پر ہے یا پھر پیروں کے ارشادات و ملفوظات پر۔ ان گمراہ کن فتوؤں اور ارشادات سے لوگوں کے تمسک کا یہ عالم ہے کہ ان کے سامنے قرآن و سنت سے کوئی دلیل پیش کی جاتی ہے تو اسے ماننے اور قبول کرنے کے بجائے کہتے ہیں ”یہ حضرات (مولوی و پیر) قرآن و سنت کو زیادہ سمجھنے والے ہیں۔“ دین واری کے لبائے میں ملبوس ان پیروں اور مولویوں نے کیا گل کھلائے ہیں! اس کا اندازہ ان حضرات کی تصانیف اور کتابوں کا قرآن و حدیث سے قاتل کر کے با آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ کونسا شرک ہے یا شرک کی کون سی قسم جو ان حضرات کی کتابوں اور سنی نامفکور کی وجہ سے تہ پھیلا ہوا۔ مزاروں کا کثرت سے وجود میں آنا، قبروں کی پوجا پاٹ، ان پر عرس و میلے، غیر اللہ کی پکار اور غیر اللہ کی نذر و نیاز غرض ایک ایک گستاخا شرک ان فرقہ پرستوں کی کارفرمائی کا مرحوم انت ہے۔

اس مختصر مضمون میں نہ تو ان کے شرک کی تمام اقسام پر بات ممکن ہے اور نہ ہی ان ”مغیان دین“ میں سے ہر ایک کی ”خدمت دین“ کے عنوان سے کی گئی کوششوں کی نقاب کشائی ممکن ہے۔ یہاں اختصار کے پیش نظر دوسرے دیوبندی صرف ایک شخصیت کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اللہ کے دین کی عقل بگاڑنے کی کوشش میں دیوبندی

مکرمہ والے افراد کو سزا دینا اور اونچے اونچے القاب سے نوازنے والی یہ امت کس طرح ملامت پرستی کے مذموم مرض کا شکار ہوئی ہے۔ وہ مشہور و معروف شخصیت اشرف علی تھانوی صاحب ہیں جن کو یوں تو بہت سے القاب سے یاد کیا جاتا ہے مگر زیادہ مشہور "حکیم الامت" کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں بشمول تفسیر القرآن "بیان القرآن" کے بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ ان کی ساری عمر عزراہ اپنے مخصوص اتحادی دین کی خدمت ہی میں گزری۔ اپنی کتابوں میں انہوں نے جو نکل کھلائے ہیں اور مسائل سلوک و دین تصوف کی جو کارستانیاں دکھائی ہیں ان کا اسطرح اسی مضمون میں ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لئے تو ضخیم جلدیں درکار ہوں گی۔ یہاں صرف مختصر تعارف پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ لہذا اس مضمون میں حکیم الامت صاحب کی صرف اس خدمت کا ذکر کیا جائے گا جو انہوں نے تعویذ کثافے کو لے کر دینی و فقیہ کی شکل میں کی ہے۔

قرآن و حدیث کی تعلیمات کی رو سے توکل و ہمسرہ کے لائق تو صرف مالک کی ذات ہے وہی نفع و نقصان پر قادر ہے وہی مطلق میں کشادگی یا تنگی کرتا ہے۔ وہی بیماری سے شفاء دیتا ہے وہی اولادیں دیتا ہے اور بے اولاد رکھتا ہے۔ تعویذ کثافے اور ٹوٹے ٹوٹے نہ تو کسی کی گود بھرتے ہیں اور نہ کسی بیمار کو صحت یا بے ہی کر سکتے ہیں۔ یہ عمل محض بے کار ہی نہیں بلکہ مہر ج شرک ہے۔ ان کے حامل ان سے کچھ پانے کی بجائے ایمان بھی متاعِ عمر دہی کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ ایمان والے تو ہر صیبت کے وقت اسی قادر مطلق "سبح و بسم ربانہ" کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کے غزالے میں انسانوں کی تمام خواہشات کو پورا کرنے کے باوجود کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ تعویذ کثافے اور ٹوٹے ٹوٹے کے حاملین اور اس پر اعتقاد رکھتے و قول اور اس کا دوبار کرنے والوں کے سامنے قرآن کریم کی تعلیمات کے علاوہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلے اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو:-

قُلْ لَنْ يَصِيَّبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۖ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ لِمَوْكُلِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (التوبہ: ۵۵)

ترجمہ :- کہہ دو کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں آسکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے مقدر کر دی ہے وہی ہمارا مولا ہے اور ہمارے مولا ہی پر توکل کرتے ہیں۔

اور اب نبی علیہ السلام کے ارشادات پر بھی غور کر لیں:-

(۱) ان الرلی والتعانم والتولہ شریک۔ (ابوداؤد ص ۵۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۱، ابن ماجہ ص

۳۳۰ سنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۵۰، المستدرک ج ۳ ص ۳۲۸)

ترجمہ :- دم و تعویذات اور تولہ شرک ہے۔

(۲) من تعلق بجمعة فقد اشرك۔ (مسند احمد جلد ۳ ص ۱۵۶)

ترجمہ :- جس نے تعویذ (جمعة) یا اس نے شرک کیا۔

(۳) ما اہالی ما اتیت ان انا شریعت قرآنقا اور تعلقت تبیمة او قلت شعر من قبل فلسفی۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳) ابو داؤد ص ۵۴۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۸

ترجمہ :- میں (حق و ناحق) سے بے پرواہ ہو گیا اگر تریاق استعمال کروں تو عویذ لکھاؤں یا شاعری کروں۔

(۴) من تعلق شہا و کل الیہ۔ (نسائی ج ۲ ص ۲۸۵ ترمذی ج ۲ ص ۲۸۸ مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۰ المستدرک ج ۳ ص ۲۲۹ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۵۱)

ترجمہ :- جس نے کوئی چیز لکائی تو وہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

یہ تو ہیں وہ احادیث جن میں نبی علیہ السلام نے تعویذ گنڈے کو شرک فرمایا ہے اور اس کے عمل کو قطعاً محسوس قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس مجدد ملت حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے تعویذ گنڈے اور لٹے لٹکے کی خوب خوب تعلیم فرمائی ہے۔ ذیل میں ان کی اس تعلیم اور خدمت دین کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔ مگر اس سے پہلے یہ بتانا مناسب ہو گا کہ ان کی تربیت اسی انداز سے کی گئی تھی جیسا کہ خود فرماتے ہیں :-

☆ حضرت اعلیٰ حضرت مرشدی سیدی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی حاجت منہ تعویذ وغیرہ لینے آوے تو انکار مت کیا کرو جو خیال میں آیا کرے لکھ دیا کرو چنانچہ احقر کا معمول ہے کہ اس حاجت کے مناسب کوئی آیت قرآنی یا کوئی اسم الہی سوچ کر لکھ دیتا ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اس میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک بی بی کی مانگ باوجود کوشش باریار کے سیدھی نہ نکلتی تھی۔ احقر نے کہا اھلنا الصراط المستقیم پڑھ کر مانگ نکالو چنانچہ اس کا پڑھنا تھا کہ مانگ بے تکلف سیدھی نکل آئی احقر نے یہ حکایت اس لئے عرض کی ہے کہ اور کوئی طالب اس معمول کو اختیار کرے تو امید نفع اور برکت ہے۔ (اشرف علی۔ اعمال قرآنی صفحہ ۱۵۲)

☆ ویرانی خانہ ظالم۔ ”آیت یا ہیا النین امنوا لا تبطلوا صلحتکم سے الکافرین تک۔“ (پ ۳ ج ۳)۔ اگر کوئی ظالم دشمن ہو اور اس کو دیران کرنا منظور ہو بعد استسنا شرعی کے ہفتہ کے دن ایک خشکری مٹی تیار کرو اور کسی پرانے قبرستان کی تھوڑی مٹی ہفتہ کے دن لو اور تھوڑی مٹی کسی دیران گھر کی لو اور تھوڑی مٹی کسی خالی گھر کی لو جس کے رہنے والے مر گئے ہوں اور ان آجیوں کو اس خشکری پر لکھو اور خوب باریک پس کرد سری مٹیوں کے ساتھ ملاؤ پھر ان سب کو ملا کر اس کے گھر میں ہفتہ کے روز پہلی ساعت میں بکھیر دو۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۰)

☆ برائے تفریق وعداوت۔ ”والقینا بینہم العداوة والبغضاء الی یوم القیمة اگر دو آدمیوں میں تفریق وعداوت ڈالنا چاہے تو اس آیت کو بھونچ کر اس کے نیچے یہ نقش لکھے۔ اور

اس شخص کے لیے یہ عبارت لکھی کہ درمیان فلاں فلاں تفریق واقع ہو۔ فلاں کی جگہ دونوں کا نام لکھی اور توجیہ دیا کہ پرانی دو قبروں کے درمیان دفن کرو پورے مگر ناحق کے لئے نہ کہے ورنہ گنہگار ہو گا۔“
(مول قزاقی صفحہ ۷۷)

☆ رزق و آبرو۔ محبت و وجہ۔ سورۃ یوسف (علی نبینا وعلیہ السلام) (پ ۱۲ ع ۱۳)
جو شخص اس کو لکھ کر پڑھے اس کا رزق بڑھے اور ہر شخص کے نزدیک با قدر ہو۔ دیگر اگر تعویذ بنا کر پڑھے اس کی بیوی اس کو بہت چاہنے لگے (اعمال قرآنی صفحہ ۴۴)

☆ ہلاکت دشمن ظالم۔ والظن لم يستجوا له من المهاد تک (پ ۱۳ ع ۸) اور
والظن ينقضون عهد الله من سوء النام تک (پ ۱۳ ع ۹) جو شخص اپنے دشمن کو ہلاک کرنا چاہے تو
مہینہ کی انھائیں تاریخ کو روزہ رکھے اور اگر اتفاق سے ہفتہ کا دن پڑ جائے تو بہت خوب ہے۔ پھر جوگی
ردی پر افطار کرے پھر آدھی رات کے وقت اٹھ کر جنگل میں جا کر یا خالی گھر کی پھٹ پر جا کر کندہ اور
سندروس کی دھونی سلگا کر یہ دونوں آیتیں سات مرتبہ پڑھے اور اس کی ہلاکت کے لئے دعا کرے مگر حد
شرعی سے تجاوز نہ کرے، یعنی جس قدر نقصان پہنچانا اس کو شرعاً جائز ہو اس سے زیادہ بدو عائدہ کرے
انشاء اللہ تعالیٰ وہ ذلیل و خوار ہوگا (اعمال قرآنی صفحہ ۷۷)

☆ تباہی باغ و کشت و جمع ظالماں۔ سورۃ النمل (پ ۱۲ ع ۱۲)
اگر اس کو لکھ کر کسی باغ میں رکھ دے تمام درختوں کا پھل جاتا رہے گا اور کسی مجمع میں رکھ دے
سب پر آئندہ اور تباہ ہو جائیں اس لئے بجز ظالم کے دوسرے کے لئے جائز نہیں اور اس میں بھی حد
شرعی کی رعایت واجب ہے۔ (اعمال قرآنی ص ۷۷)

☆ تباہی ظالماں۔ آیت وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه من الظلمين تک
(پ ۱۲ ع ۲)

منکبر ظالم کے تباہ کرنے کے لئے چار قبروں کی مٹی لے۔ ایک مسلمان کی دوسری یہودی تیسری
نصرانی کی چوتھی مجوسی کی 'ایک کسی شکیر کی پرانی قبر کی ایک کسی ویران گھر کی اور ایک کسی وقف حرمہ
گھر کی۔ یہ ساتوں مٹیاں لیکر برتن پر یہ آیت سات سات بار پڑھ کر کسی مہینے کے آخری بدھ میں وہ
مٹیاں ملا کر اس شخص کے گھر میں اوپر سے ڈال دے پھر تماشا دیکھے۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۷۷)

☆ اطلاع و قینہ و خزانہ۔ دیگر جو شخص وقینہ و خزانہ پر مطلع ہونا چاہے تو ان آیتوں کو تاجے
کے برتن پر سٹک و زعفران سے لکھ پھر بلبلہ زرد و آب طوب میں وہ میز سے اس کے حروف دھو کر سیاہ
مرغی کا پتہ یا سیاہ بطخ کا پتہ اور پانچ حقال سرمہ مسلمان لے کر اس پانی میں ملا کر خوب باریک پیسے حتی کہ
وہ باریک سرمہ ہو جاوے اور رات کے وقت پیسا کرے تاکہ اس پر دھوپ نہ پڑے۔ جب سرمہ بن
جائے کانچ کی شیشی میں رکھ کر اور آنسو کی ملائی سے اس کا استعمال اس طرح کرے کہ اولیٰ بھرات

کے دن روزہ رکھے جب نصف شب کا وقت ہو درود شریف پڑھے اور آیات موصوفہ ستر بار پڑھے اور ستر بار استغفار پڑھے پھر ستر مرتبہ درود شریف پڑھے پھر اسی سلائی سے دونوں آنکھوں میں تین تین بار سلائی میں سرمد کی لگاوے اور داہنی آنکھ میں پہلے لگاوے اسی طرح سات جمعرات تک کرے کہ دن میں روزہ رکھے اور رات کو درود شریف و استغفار و آیات پڑھے اور سرمد لگاوے۔ اس شخص کو اشک میں روح نیا نظر آویں گے ان سے جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لے وہ اس کے سوال کا جواب دیں گے مگر ایک حرف جدا جدا اس طرح لکھے۔ ا ل م ل ک اور ہر روز درمیان کے حروف یعنی م کو چالیس بار تہیت پڑھتا ہوا دیکھے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے سامان اس گمے لئے دوست فرمادیں اور سب حدیثیں پوری فرمادیں (اعمال قرآنی ص ۳۲-۳۳)

تفسیر و قبول و قول۔ آیت 'واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً' ہم المفلحون تک اگر عروج ماہ دو شعبہ کے روز ہرن کی جھلی پر قوت کے عرق سے لکھ کر آخر میں یا مولف القلوب الفین نفس و قلاں لکھے اور فلاں قلاں کی جگہ ان دو شخصوں کے نام لکھے جن میں الفت پیدا کرنا منظور ہو اور طالب کے یا زو و فیروز پر پاندھ دے مطلوب مہربان ہو جائے گا۔ اور اگر عداوت ہوگی دوستی سے مہل ہو جائے گی۔ اگر غضبناک ہو گا مہربان ہو جائے گا اور اقبال اور جاوید میسر ہو گا۔ اور اگر واعظ اس کو اپنے پاس رکھے اس کا وعظ مقبول اور موثر ہو۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۳)

تفسیر استخافہ۔ آیت 'وما محمد الا رسول سے انقلبتم تک' (پ ۴۲) جس کی تفسیر جاری ہو اس آیت کو مریض کی دونوں آنکھوں کے درمیان ناگ کے اوپر باندھے۔ اگر کسی عورت کا خون جاری ہو جاوے تو اس آیت کو تین پرچوں پر لکھے۔ ایک پرچہ اس کے اگلے دامن میں پاندھ دے ایک پیچھے دامن میں ایک زیر ناف۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۵)

تفسیر بار آوری درخت۔ آیت 'ونشر النہن امنوا سے خللون تک' (پ ۴۸) جو درخت بھلتے نہ ہوں یا کم بھلتے ہوں ان کے بار آور کرنے کے لئے جمعرات کا روزہ رکھے اور صرف کدو سے افطار کرے اور نماز مغرب کی پڑھ کر یہ آیتیں کاغذ پر لکھے اور کسی سے بات نہ کرے اور اس کاغذ کو لے کر اس یاغ کے وسط میں کسی درخت پر لٹکا دے اگر اس پر کچھ پھل لگا ہو تو اس سے روزہ اس کے آس پاس کسی درخت سے کوئی پھل لے کر کھا کر اس پر تین گھونٹ پانی پیے اور چلا تو بے انشاء اللہ تعالیٰ برکت ہوگی۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۳)

☆ دریافت حال ناظم و اطلاع دہیت۔ آیت: "وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا سَ تَعْلَمُونَ تَكَ (پ ۱ ع ۹)"
 موتے آدمی سے راز دریافت کرنے کے لئے ہے مگر جس جگہ معلوم کرنا شرعاً جائز ہو۔ مگر بعض
 عارفین سے منقول ہے کہ یہ آیتیں اور سورۃ شعراء کاغذ پر لکھ کر سفید مرغ کی گردن میں جس کا تاج
 شاخ شاخ ہو باندھ کر جس جگہ دینہ کا شہ ہو وہاں چھوڑ دیا جاوے۔ وہ مرغ وہاں جا کر کھڑا ہو جائے گا
 اور اگلے دن مر جاوے گا۔ مگر مجھ کو اس میں شبہ ہے کہ حیوان کا ہلاک کرنا عمل سے جائز یا ناجائز ہے۔
 دیگر یہ بھی ان بزرگ سے منقول ہے کہ جمعہ کے روز جب آفتاب نکلے لگے تو یہ آیتیں برنوف کی چھڑی
 پر چالیں مروجہ پڑھے جو چاند کسی قسم کے مرض میں مبتلا ہو اس چھڑی پر تھکا کر اس سے سات مرتبہ
 اس کو جھاڑے پھر اس سریش کے اوپر تھکا روئے انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہو گا۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۶)

☆ دفع پشہ و یک و بار و کثردم و غیرت۔ آیت: "الْم تَرَالِی الثَّغْنِ خَرَجُوا مِنْ دِارِهِمْ سَ لَا یُشْکَرُونَ تَكَ (پ ۲ ع ۱۳)"

طشت میں سیاہی لے کر شیرہ برگ، نوب یا شیرہ برگ زیتون سے دھو کر گھر میں چھڑکنے سے جس قدر
 مانپ پھو پھو ہو گے انشاء اللہ سب مر جائیں گے اور جمعرات کے روز سحر کے وقت زیتون کے چار
 جوں پر لکھ کر ایک پتہ مکان کے ایک ایک گوشہ میں دفن کر دیا جائے تو کوئی پھر باقی نہ رہے گا۔ (اعمال
 قرآنی ص ۳۹)

☆ ذہن و رویا سی و دشمن۔ آیت: "قُلْ یَا أَهْلَ الْکِتَابِ هَلْ یَسْتَفْهِمُونَ سَ سِوَاءَ السَّبِيلِ تَكَ (پ ۱ ع ۱۳)"

یہ آیتیں دشمن کی رویا سی اور کند ذہنی کے لئے ہیں۔ جو شخص ناحق ایذا دیتا ہو اور ظلم کرتا ہو اور
 تمہارے صبر و فقیہائی پر بھی باز نہ آوے تو جمعرات کا روزہ رکھ کر نماز عشاء پڑھ کر ان آیتوں کو کسی دھنی
 گھر کی ایک مشت خاک پر تمیں پاد پڑھ کر اس شخص کے گھر میں وہ سنی چھوڑ دو پھر اس کی جان اور مال
 کا تمنا شاید کچھ ہو۔ (اعمال قرآنی ص ۴۰)

☆ وَقَالَتِ الْیَهُودُ یٰذَا الذِّکْرِ مَعْلُومَتُهُ سَ لَا یَحِبُّ الْمُسْلِمِیْنَ تَكَ (پ ۱ ع ۱۳)

جب کوئی مجمع کسی ناجائز غرض پر متفق ہو جائے اور ان میں تفریق منظور ہو تو ان میں جو سب سے
 بڑی عمر کا آدمی ہو اور جو سب سے چھوٹی عمر کا آدمی ہو ان دونوں کے تھوڑے تھوڑے ہال لے کر ان کو
 آگ میں خاکستر کر دو پھر یہ آیتیں کسی بڑے پاک برتن میں لکھ کر اور اس کو برگ حرل کے عرق سے دھو
 کر وہ پانی اور وہ رکھ اس مقام میں ڈال دو انشاء اللہ تعالیٰ پھر ہرگز ہرگز ان میں اجتماع نہ ہو گا۔ (اعمال
 قرآنی صفحہ ۴۱)

سورۃ الانعام (پ ۷) اگر لکھ کر موسیٰ کے گلے میں باندھ دیں تو ان کو تندرستی اور جمع آفات سے
 امن حاصل ہو۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳)

﴿فَیُورِثُہُمْ وَاسْتَخْرِجُہُمْ﴾ آیت انما یتجیب اللہ عنہم (پ ۷) ۱۰
 جس کی آنکھ میں کچھ فوری ہو یا کسی عضو میں استرخا ہو تین روز متواتر روزہ رکھے اور دودھ شکر سے افطار
 کرے اور نصف شب کے وقت اٹھ کر تانبے کے قلم سے زعفران اور گلاب سے اپنے یا دوسرے
 مریض کے داہنے ہاتھ پر لکھ کر چاٹ لے تین روز تک ایسا ہی کرے۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۸)

﴿اِسْتِثَارَ رَازِ چِشْمِ دُشْمَنِ﴾ ۱۱۔ پرانے استار راز چشم عدوۃ الی امین سے ایک بزرگ
 فرماتے ہیں کہ ایک مقام پر لڑائی ہو رہی تھی میں نے اظا فلذلت پڑھ کر زمین پر ہاتھ مار کر اس طرف
 مٹی پھینک دی پھر سر پر ہاتھ رکھ کر یہ آیتیں پڑھیں لا فرب لہم طریقا الی البحر سے لا تعشی تک
 (پ ۱۲) ۱۳ وجعلنا من بین ابلیہم سدا سے لا بصرون تک (پ ۲۲) ۱۸ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ
 عمل کر کے درخت کے نیچے بیٹھ رہا۔ مخالفین وہاں پہنچ کر کہتے تھے کہ ابھی تو وہ غصہ یہاں تھا کہاں گیا
 اور یہ ان کو نظر نہ آئے۔ (اعمال قرآنی ۱۰۵)

﴿بِندِ پیشاب﴾ ۱۲۔ ابن کلبی نے لکھا ہے کہ کسی شخص کا پیشاب رگ گیا ایک قاضی نے
 یہ آیت لکھ کر باندھی شفا ہو گئی۔ فلتفتحنا ابواب السماء بمعنا منہم سے قل لعل ○ تک (پ ۲۷)
 (۸۷)

تاریخین ایسا اعمال قرآنی کے کچھ نمونے پیش کئے ہیں جن کو احتیاط کے ساتھ ہی منتخب کیا گیا ہے ورنہ اعمال قرآنی اور
 بعضی زیور میں تو عیاں و نقیص نگاری کے وہ نمونے پیش کئے گئے ہیں جن کو کوئی غیرت مند اپنے گھر میں رکھتے ہوئے شرم
 محسوس کرے گا۔ یہ کچھ نمونے بھی صرف اس لئے پیش کئے گئے ہیں کہ اللہ کے بندے ان شخصیات کو بخوبی پہچان لیں
 جنہوں نے دین طریقت کی رنگ آمیزی و طمع مادی کے ذریعہ اللہ کے دین میں بگاڑ پیدا کر کے انسانیت کو سوام السیل سے
 بٹھکایا۔ اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم کر کے ذلت و رموائی سے دوچار کیا اور انجام کار ہلاکت و خسران کے گڑھے میں گرا
 دیا۔ ایک اللہ کی بندگی کرنے والے اور صرف اسی پر توکل کرنے والے ہندو مت کی توحفات و رسومات کی بندشوں میں بکھر
 دیتے گئے اور ذہنی غلامی کا شکار ہو کر زندوں کا تو کتنا ہی کیا مر دوں سے بھی خوفزدہ رہنے لگے۔ مسلمانوں کی عظمت بھری
 تاریخ کو مسخ کرنے میں ان شخصیات نے بھی کھیل کھیلایا ہے۔ ایمان خالص کا تو یہی تقاضہ ہے کہ ان کے لئے محبت و احترام
 کے بجائے نفرت و بے زاری کا اظہار کیا جائے۔ وما علینا الا البلاغ۔

محمد ﷺ



قافلہ ہے رواں دواں

اجتماع عام (صوبہ پنجاب)

پنجاب سطح پر ہونے والا یہ دوسرا اجتماع عام اب کے ۲۵ اور ۲۶ اپریل ۱۹۹۲ء کو مسجد توحید ڈیرہ غازی خان میں منعقد ہوا جس میں بیرون پنجاب، سرحد، بلوچستان، آزاد کشمیر اور سندھ سے بھی کچھ ساتھی شریک ہوئے۔ پنجاب سے باہر کے شرکاء میں کراچی سے امیر تنظیم کے ساتھ آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ (تقریباً تیس ہشتیس افراد پر مشتمل) تھی۔ اس اجتماع عام کی حیثیت بھی ہلکے پھلکے تربیتی اجتماع کی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ دو روزہ اجتماع موضوعاتی تقاریر کے علاوہ مختصر مطالعاتی پروگراموں پر مشتمل تھا۔

اجتماع کا باقاعدہ آغاز ۲۵ اپریل ساڑھے سات بجے صبح امیر تنظیم کے ابتدائی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ ال عمران کی آیات (۱۰۲-۱۰۶) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ تَقَاتَهُ ۖ هُمْ فِيهَا خَالُونَ** کے حوالے سے اہل ایمان کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اجتماع کی غرض و غایت اور اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو واضح کیا۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو ایمان کی قدردانی کی تلقین کرتے ہوئے بتایا کہ ایمان کا لازمی تقاضا تقویٰ اور اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرنا ہے، زندگی کی آخری سانس تک اس راہ پر استقامت کے ساتھ جتے رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے ساتھ بندگی کے رشتے کو استوار رکھا جائے۔ اعتصام بحبل اللہ کا اہتمام ہو۔ جماعت سے وابستگی ہو، نظم و ضبط کی پابندی کے ساتھ اور ہر قسم کے اختلاف و انحراف سے بچتے ہوئے قرآن ہی تعلیم فرماتا ہے کہ جو اعتصام باللہ یعنی اعتصام بالکتاب والسنۃ کا حق ادا کرے گا اسے صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ان آیات میں اہل ایمان کو یاد دہانی کرا رہا ہے کہ ایمان سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ عرب کی تاریخ قبائلی دشمنیوں، اوس و خزرج اور یہودی قبائل کی خونریزیوں سے عبارت تھی۔ انسانیت کے روپ میں ویرانگی اور خواہشات نفس کی بیجی عام تھی۔ اس طرح تم تباہی کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ گئے تھے کہ ہم نے تمہیں بچالیا اور ایمان کی نعمت کے ذریعے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اب تمہیں چاہئے کہ ہماری اس نعمت کو یاد رکھو۔ اس کی قدردانی کرو اور اس کا

تقاضا یہ ہے کہ تم ہماری قربانیوں کو اختیار کرو اور اس خیر کو دوسروں تک پہنچاؤ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے دنیا و آخرت میں فلاح یاب ہونے کا یہی طریقہ ہے۔ آپس کے اختلافات اور تفرقہ بازی سے بچو اور ان لوگوں کی طرح کفرانِ نعمت نہ کرو جو تم سے پہلے ہماری طرف سے ہدایت آنے کے بعد اختلافات میں پڑے اور پھر فرقوں میں بٹ کر عذابِ عظیم کے مستحق ٹھہرے۔

امیرِ تنظیم نے قرآنی آیات کی تعلیمات کے تناظر میں شرکاءِ اجتماع کو ایمان کی نعمت اور اس کے تقاضے کے طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظیم ذمہ داری کا احساس دلایا اور اس سے پہلے اہل کتاب بالخصوص بنی اسرائیل کی تاریخ کے حوالے سے واضح کیا کہ یہ ان کی مسلسل نافرمانیاں اور بدعبدیاں تھیں اور اس عظیم نعمت کی ناقدری اور اپنی ذمہ داریوں سے غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ تھا کہ انہیں اس منصب سے معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ اس آخری امت کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بات کہاں سے شروع ہوئی تھی، کہاں پہنچی اور اب کیا کرنا ہے؟ یاد رہے کہ **الہکم اللہ** واحد کی دعوت پر لبیک کہنے والے اہل ایمان، صحابہ کرام کو معاشرے کے وحارے سے کٹنا پڑا۔ ایک کشمکش برپا ہوئی۔ ایذاؤں، بدواشت کی گھنٹیں۔ ہجرت کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ ایمان کی آبیاری کے لئے گناہ و معصیت اللہ کی منع کردہ ہر چیز یہاں تک کہ گھریار، وطن، مال و اسباب اور رشتہ طاق غرض جو چیز بھی اس راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھی اس کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی راہ میں ایک اجتماعیت سے وابستہ ہوئے، سمع و طاعت کے پیکر بنے۔ بدر کے معرکہ میں تین سو کو ایک ہزار کے مقابلے میں اللہ نے فتح سے ہمکنار کیا۔ مخالفین کی کمر توڑ دی گئی۔ لیکن غزوہ احد میں اطاعت رسولؐ سے انحراف کرنے کی سزا میں جیتی ہوئی ہار گئے۔ احد کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔ بہر حال اللہ نے فضل فرمایا۔ دشمن کے دل میں رعب ڈال دیا۔ سلسلہ آگے بڑھتا ہے، اہل ایمان کی تربیت ہوتی ہے۔ تسلیم و رضا، سمع و طاعت کے پیکر، نظم و ضبط کے پابند، یا بھی تعلقات میں ایثار و قربانی کے جذبے سے سرشار یہ جواں بہت نبی علیہ السلام کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت کے مزید مراحل طے کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں طاعتوں، قوتوں کے خلاف، عیسے پلائی ہوئی دیوار بن کر ان کو پسپائی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس طرح اللہ کی تائید سے کامیابی کی مصراع کو پہنچتے ہیں اور رضی اللہ عنہم و رضوانہ کا صداق بنتے ہیں۔ اللہ کا وعدہ استخفاف ایسے ہی لوگوں سے ہے جو **بعلون فی لا یشکو کون فی شفا** کی شرط پر پورا اترنے والے ہوں۔

اللہ کے بندو ایسے کامیابی و سرفرازی اور یہ عروج انخطاط پذیر ہو تو اس کی ایک ہی وجہ تھی اور ہے کہ مالک کے ساتھ بندگی کا وہ رشتہ جو شرک کے ہر شاخے سے پاک رہتا چاہئے تھا، استوار نہ رہ سکا۔ دنیا میں امن و سلامتی اور غلبہ و صولت جس ایمان خالص سے مشروط تھے وہ دینِ تصوف اور اتحادی فلسفے (وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول) کی یلغار کے باعث شرک سے آلودہ ہوا اور مسلسل ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اس ام النہایت کے زیر اثر اہل بھی برباد ہوئے الغرض صدیوں کی مسافت پر محیط یہ سیل انخطاطِ دولت و رسوائی کی اس منزل پر پہنچا اور آج کا یہ منظر ہے کہ شاید تاریخِ انسانیت کبھی

پیش نہ کر سکے۔

ایسی پستی کے ماحول سے اللہ کا ایک بندہ اٹھا جس نے اللہ کی توفیق سے دعوت کو قرآن و حدیث کے نکسالی خراج پر اٹھایا۔ آج کی عبادی کی اصل وجہ کو پورے شواہد اور ثبوت کے ساتھ تحریری طور پر سب کے سامنے پیش کر دیا۔ اللہ کا صمد ہزار شکر کہ اسی کاوش کا نتیجہ یہ اجتماعیت ہے جس کے ساتھ ہم آپ آج فسلک ہیں۔ اللہ کی اس نعمت کی شکر گزاری کا یہ تقاضا ہے کہ اس شمع کو روشن رکھنے کے لئے ہم سب کے مساعی مل کر بھرپور انداز میں لگیں۔ اللہ کے دین کا تقاضا پورا کرنے کے لئے ہم اپنے ماحول میں ایسی بننے میں فخر محسوس کریں، ہمیں لومہ لائٹ کی کوئی پروا نہ ہو اور ذرا بھی ذہنی مرعوبیت کا شکار نہ ہوں۔ اپنے اندر کتاب و سنت کے مظلوم اوصاف سیرت و کردار پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ تقویٰ کے معیار کو بلند کریں۔ تقویٰ کیا ہے؟ اللہ کی نافرمانی کے رکنوں و لغویات کا نتوں سے بھری دنیا میں مقلدات کے ان کائناتوں سے اپنے دامن کو بچانا ہی تقویٰ ہے۔ اس مقصد کے لئے اس طرح کے اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں کہ جہاں ساتھیوں میں باہمی رابطہ و ضبط برقرار رہے وہاں اس طرح کی جو چیزیں تقاریر اور دو سرے پروگراموں کے ذریعے پیش کی جاتی ہیں ہمارے ساتھی ان کو اپنے اندر جذب کریں اور پھر سلسلہ آگے بڑھے۔

یاد رکھئے! آپ کی اس اجتماعیت کو ختم کرنے اور اس شمع کو بجھانے کی ہر ایمر کوشش ہو رہی ہیں۔ جن کے دلوں میں طاغوت کی محبت موج بٹ گئی ہے وہ مسلسل برسر کار ہیں ایک محاذ سے ہزیمت اٹھانے کے بعد دوسرے محاذ پر جا کھڑے ہوتے ہیں اس طرح نئے قوتوں کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھئے کتاب و سنت کی تعلیمات سے بھرپور استفادے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیجئے۔ لڑ پکڑ کا اور جو چیزیں اس سلسلے میں بڑی کوشش سے تیار کی جاتی ہیں ان کا اچھی طرح مطالعہ کیجئے اجتماعات میں کاپی قلم ساتھ لے کر آیا کیجئے۔ باقاعدہ طالب علمانہ انداز میں نوٹس تیار کیجئے۔ اللہ کی راہ میں پیسہ اور وقت صرف کر کے آئے ہیں تو ایسے موقعوں پر مشقت برداشت کیجئے یہاں سونے اور آرام کے لئے نہیں بلکہ بیدار رہ کر کچھ سیکھنے کے عزم سے آئیے! اس مشن کا فعال کردار بننے کے لئے یہ ازبیس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کے اس مشن کے ساتھ غلوں اور بے نفسی کے ساتھ جوڑے رکھے اور اس طرح کے اجتماعات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا کرے۔ آمین!

امیر تنظیم کے افتتاحی کلمات کے بعد راولپنڈی کے ساتھی خلیل الرحمن صاحب نے شرکاء اجتماع کے سامنے تفصیل کے ساتھ تجزیہ کے کچھ اصول پیش کئے اور پھر انہی اصولوں کی روشنی میں قرات القرآن کی مشق کرائی۔

اس کے بعد کراچی کے ساتھی سعید احمد صاحب نے سورۃ النحل کی آیت ”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ“ کے عنوان پر تقریر میں اس بات کو واضح کیا کہ قرآن کی اس آیت میں انتہاء عظیم السلام کی بعثت کے مقصد اور ان کی دعوت کو مختصر مگر اختتامی جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے چنانچہ اس ضمن میں انہوں نے قرآن و حدیث اور دیگر تحریری و عملی شواہد کی روشنی میں طاغوت، طاغوت پرستی اور اس سے اجتناب کی اہمیت کے ساتھ

احبار و رہبان کے طاغوتی کردار پر سیر حاصل بحث کی اور اس اصل الاصول کو کتاب و سنت سے ولائ کی بنیاد پر ثابت کیا کہ صحیح معنوں میں ایمان لانے کے لئے طاغوت کا کفر لازمی ہے "اسی طرح توحید کا اثبات دو شرک کے بغیر ممکن نہیں۔

سعید احمد صاحب کی تقریر کے بعد صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے "اجتماعیت کے تقاضے" کے موضوع پر تقریر کی۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے متعدد حوالہ جات اور صحابہ کرام کے واقعات کی روشنی میں اجتماعیت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے تقاضوں کو واضح کیا۔ اگرچہ عمر خطاب صاحب نے بھی اپنی تقریر سورۃ آل عمران کی کم و بیش انہی آیات کے حوالے سے شروع کی جو صبح امیر تنظیم کے افتتاحی کلمات کی بنیاد تھیں اور جن میں عمر خطاب صاحب کے موضوع سے متعلق کئی پہلوؤں پر گفتگو ہو چکی تھی تاہم انہوں نے اپنے موثر انداز بیان اور بعض تکنیکی ملاحظیوں کو کام میں لاتے ہوئے اپنے موضوع سے بھرپور انصاف کیا اور ساتھیوں کو بعض باتوں کی تکرار کا احساس نہیں ہونے دیا۔ بہر حال قرآن و حدیث کے استدلال پر مبنی ان کی تقریر سے اجتماعیت کے جو تقاضے ابھر کر سامنے آ رہے تھے ان کو مختصر الفاظ میں اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اللہ کی قربانی و اداری اور تقویٰ کی اساس پر قائم اجتماعیت سے وابستگی بطور فریضہ دین۔

(۲) صبح و طاعت یا نظم و ضبط کی پابندی "اطاعت بالمعروف کے اصول پر

(۳) اعتصام بعجل اللہ کے ذریعہ باہمی اختلاف و تفرقہ بازی سے پرہیز

(۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام

(۵) غلو و بے نقسی

(۶) امانت و دیانت

(۷) محمد کی پاسداری

(۸) عدل و انصاف

(۹) امر اور نہی کا خوش خلق ہونا

(۱۰) تنظیم اور اس کی قیادت پر اعتماد اور حسن ظن

(۱۱) اختلاف کی صورت میں کتاب و سنت سے رجوع

(۱۲) آپس میں رابطہ و تعاون

(۱۳) باہمی محبت و اخوت

بعد ازاں کراچی کے سعید احمد صاحب اور لاہور کے ضرار لطیف بٹ صاحب نے مل کر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور فقہ انکار حدیث کے تاریخی پس منظر کی وضاحت کے ساتھ ساتھ حدیث کے قلعی سے منکرین حدیث کے بعض اعتراضات کے دلائل جوایات دیئے۔

صلوۃ العصر کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی جو صلوۃ المغرب کے بعد بھی جاری رہی۔ اس میں شرکاء اجتماع نے اپنا مختصر تعارف اور تنظیم کے ساتھ وابستگی کا اعلان کیا۔
صلوۃ العشاء کے بعد امیر تنظیم نے شرکاء اجتماع کے تحریری سوالات کے جواب دیئے۔ اور اس کے بعد پنجاب و مرکزی شوریٰ کی میٹنگ ہوئی۔

۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء کو صبح بعد صلوۃ الفجر آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب نے سورۃ النساء کے بیسویں رکوع کی چند آیات **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** پر مشتمل درس قرآن دیا جس کے بعد اشراق و ناشتہ کے لئے وقفہ ہوا۔
وقفے کے بعد لیہ کے ساتھی فدائ الرحمن صاحب نے سورۃ الاعراف کی آیت ”**الْقَدِيرُ سَلَامًا نَحْنُ اِلَىٰ قَوْمِهِ لِقَالٍ**
لَقَوْمٍ اَعْبَدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِهِ کے حوالے سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان کی قوموں کے طرز عمل اور ان کے انجام کے بارے میں بیان کیا اور قرآنی آیات کے حوالے سے اس بات کو واضح کیا کہ ہر دور میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں مختلف قوموں کا رد عمل یکساں رہا ہے اور تاریخ انسانیت کے ہر دور کے لوگ دعوت حق کے خلاف ایک ہی قسم کی اعتراضات اٹھاتے رہے ہیں۔ فدائ الرحمن صاحب کی تقریر کے بعد قسم القرآن کا پود گرام ہوا جس کے دوران مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے دس ساتھیوں نے سورۃ الحشر کے آخری رکوع کی آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَانْتَظِرُوا نَجْدًا مِمَّا قُلْتُمْ لِقَالِهِ** خبر دہا عملوں کے حوالے سے متعین وقت میں اپنا اپنا حاصل مطالعہ پیش کیا۔ سچ صاحبان نے مقرریں کی کوششوں کو سراہا تاہم مقابلے میں بلوچستان کے لال محمد صاحب اول، لاہور کے اعجاز الرحمن صاحب دوم جبکہ جھنگ کے ظفر اقبال صاحب اور جام پور کے نعیم اختر صاحب سوم قرار دیئے گئے۔

قسم القرآن کے پود گرام کے بعد صلوۃ النہر اور کھانے کا وقفہ ہوا جس کے بعد صوبہ پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے پنجاب میں دعوتی سرگرمیوں سے متعلق مختصر رپورٹ پیش کی جس میں انہوں نے شرکاء اجتماع کو بتایا کہ پنجاب کے تقریباً تمام بڑے بڑے شہروں میں دعوت الی اللہ اور لڑیچہ کی تقسیم کے پود گرام ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں پنجاب کے ساتھی ہر ماہ کسی بڑے یا چھوٹے شہر میں ایک دن صبح آٹھ بجے سے صلوۃ النہر تک دعوت الی اللہ کا پود گرام کرتے ہیں جس کے دوران دعوتی لڑیچہ بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ پھر امیر پنجاب کی زیر نگرانی اسی شہر کے کسی مقام پر صلوۃ النہر کے بعد پنجاب شوریٰ کی میٹنگ ہوتی ہے جس میں آئندہ کے لئے پود گرام وغیرہ طے ہوتے ہیں۔

اس طرح ۲۶ اپریل کو ساڑھے تین بجے دن امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر یہ دو روزہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ امیر تنظیم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کا شکر ادا کیا کہ مالک نے ہمیں اس اجتماع میں شرکت کی توفیق بخشی۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کے ذوق و شوق اور ممبر اور مختلف پود گراموں میں حصہ لینے والے نیز اجتماع کے انتظامات پر مامور ساتھیوں کی محنت و مشقت کو سراہا اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجر کی دعا کی۔ امیر تنظیم نے تائید پر بالخصوص زور دیا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا زیادہ احساس کریں۔ مختلف اضلاع کے اندر رابطہ برعائیں تاکہ دعوت و تبلیغ اور تربیت کا کام جمود کا شکار نہ ہو۔

پڑھے لکھے اور باصلاحیت، مانتھی محنتی مطالعہ کریں۔ اپنی صلاحیتوں اور اوقات کو اللہ کے دین کے لئے زیادہ سے زیادہ وقف کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسب توفیق اس راہ میں آگے بڑھنے کی ہمت اور قوت و شوق سے نوازے۔ آمین۔

امیر عظیم کے اختتامی کلمات کے بعد شرکاء اجتماع ایک دوسرے سے الوداع ہوئے اور اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس روانہ ہوئے۔

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے ناظمین

گزشتہ سال کے برعکس اس دفعہ ناظمین کا یہ تین روزہ سالانہ تربیتی اجتماع ۱۷ تا ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۳ء کراچی کے بجائے ڈیرہ جدید ضلع سرگودھا میں رکھا گیا تھا لیکن عین وقت پر اس کو یوجہ ملتوی کرنا پڑا جس کی وجہ سے دو روزہ کے ساتھیوں کو ہر وقت اطلاع نہ پہنچنے کی وجہ سے کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ بعض ساتھیوں کو اجتماع گاہ تک سفر کی صعوبت بھی برداشت کرنا پڑی اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں ان کی اس مشقت اور تکلیف کو قبول فرما کر باعث اجر و ثواب بنادے! آمین۔

بعد ازاں اسی پروگرام پر مشتمل یہ اجتماع ۳۱ اکتوبر تا ۲ نومبر ۱۹۹۳ء کو مسجد توحید ڈیرہ جدید سرگودھا میں منعقد ہوا جس میں پورے پاکستان سے ناظمین اور دیگر ذمہ داران کے علاوہ پنجاب کے ساتھیوں نے بھی شرکت کی۔ کراچی سے تقریباً ہاؤن ساتھیوں پر مشتمل ایک قافلہ امیر عظیم کی معیت میں ۳۰ اکتوبر کی رات کو مسجد توحید ڈیرہ جدید میں پہنچ گیا تھا۔

۳۱ اکتوبر کو صبح صلوٰۃ الفجر کے بعد پنجاب کے امیر حکیم رمضان صاحب نے سورۃ الفرقان کے دوسرے رکوع کی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ حکیم صاحب نے بڑے اچھے اور موثر انداز میں قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ سے متعدد رجعت ویر محل حوالے کچھ اس طرح پیش کئے کہ جنت کی نعمتوں اور جہنم کی سختیوں کا گویا نقش کھینچ دیا۔ حکیم صاحب کے درس قرآن کو اس رفتہ بہت ہی توجہ سے سنا گیا اور غالباً کیسٹ ریکارڈ کرتے والے ساتھیوں کے پاس ان کے درس قرآن کی کیسٹ کی سب سے زیادہ مانگ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے مطالعہ قرآن فیضی کے ذوق اور حافطے میں زیادتی فرمائے! آمین۔ یہ اللہ کی کتاب کا اعجاز اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اچھے انداز سے پیش کرنے کا اثر ہے۔ حکیم صاحب کے ایمان افروز درس قرآن کے بعد اشراق اور ناشتے کے لئے وقف ہوا۔

پہرہ گرام کے مطابق ٹھیک ہوا آٹھ بجے صبح اس اجتماع کا باقاعدہ آغاز سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب کے اختتامی کلمات سے ہوا۔ عمر خطاب صاحب نے سورۃ ال عمران کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے سے شرکاء اجتماع کو بتایا کہ آسمان و زمین کی تخلیق گردش لیل و نہار اور رزق رسانی کے مختلف انتظامات احسانات الہی ہیں۔ کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار آیات محمدوں کی یاد دہانی کے لئے کافی ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بھی یہ انتظام فرمایا ہے دراصل آفاق میں پھیلی ہوئی نشانیاں سب کے لئے یکساں طور پر موجود اور قابل مشاہدہ ہیں لیکن ان پر غور و فکر صرف لب والے یعنی صاحب عقل ہی کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو استواہمکم کی پکار پر السنا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیات آفاق و انفس کے علاوہ ان ذی ہوش و عقل لوگوں کی ہدایت اور تعلیم و تربیت کے لئے

انبیاء۔ ملحقہ السلام کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ ایمان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو معاشرہ برداشت نہیں کرتا۔ ان کی آزمائش کے لئے ہجرت، قتال اور ایذا رسانی کے مختلف مراحل آتے ہیں جن کو وہ صبر و استقامت کے ساتھ اٹھتے رہتے ہیں پھر اللہ کی راہ میں یہی دام و گیران کے گناہوں کا کفارہ اور انجام کار جنت کی لازوال بادشاہی میں داخلے کا سبب بنتی ہے۔ اہل ایمان کے جان و مال کے عوض ان کو جنت کے سوئے کی بشارت دی جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد، جان و مال کی قربانی ہی سب سے بڑی کامیابی کا باعث بنتی ہے۔ بالک سورۃ التوبہ میں ایسے لوگوں کی صفات بیان کرتا ہے۔ انہی میں اپنے ایسے بندوں کا ذکر فرماتا ہے جو تحصیل علم کے لئے یعنی اللہ کے دین کا علم سیکھنے اور اس کو پھیلانے کے لئے زمین پر گردش کرتے ہیں سفر اختیار کرتے ہیں۔ ابن بطوطہ کی طرز پر جس بلکہ صحابہ کرام اور مختلف محدثین کی طرز پر۔ ہم بھی اس اجتماع اور اسی طرح کے دوسرے اجتماعات اور پروگراموں میں ایک مقصد کے تحت شرکت کے لئے آتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک طالب علم ہے، علامہ نہیں۔ سیکھنے والا ایسے موقعوں پر پورا دھیان دیتا ہے۔ وقت ضائع نہیں کرتا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ کچھ نہ کچھ سیکھ کر جائیں اور واپس جا کر دوسرے بھائیوں کو سکھائیں۔ دور دراز سے سفر کی تکلیف برداشت کر کے، پیسہ اور وقت خرچ کر کے آنے والے اس وقت کو ضائع نہ کریں۔ اجتماع کے دوران بھائیوں کے لئے ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین!

افتتاحی کلمات کے بعد اصول تجوید کی تدریس اور قرأت القرآن کی مشق کا پروگرام ہوا جس میں معلم کے فرائض کراچی کے خالد عزیز صاحب نے ادا کئے۔ اس طرح تجوید کا دوسرا پروگرام اجتماع کے آخری روز یعنی ۲ نومبر کو ہوا جس میں مدرس راولپنڈی کے ظلیل الرحمن صاحب تھے۔ ہر دو اصحاب نے شرکاء اجتماع کو تجوید کے اصول سکھائے اور ان کے مطابق قرأت القرآن کی مشق کرائی۔

اصول تجوید کے بعد ۳۱ اکتوبر کو سورۃ النحل کی آیات (نمبر ۲۲۲) پر مشتمل فہم القرآن کے پروگرام میں چند روزہ منٹ دورانیے کی آٹھ تقاریر ہوئیں جس میں مختلف علاقوں کے ساتھیوں نے حصہ لیا۔ اس پروگرام میں منعین کے فرائض حسب معمول عمر خطاب صاحب اور قصور کے باظم ماسٹر طفیل بیگ صاحب نے سرانجام دیئے۔ تقاریر کا معیار ان کے تیسرے کے مطابق مجموعی طور پر بہتر اور حوصلہ افزا تھا تاہم کہیں کہیں موضوعات سے انصاف نہیں ہوا۔ انہوں نے بعض اصلاح طلب پہلوؤں کی طرف مقررین کی توجہ مبذول کرائی۔ بیچ صاحبان کے فیصلے کے مطابق تقاریر کے اس مقابلے میں غوثی (سرحد) کے زاہد حیات نے اول، آزاد کشمیر کے محمد افضل بٹ صاحب اور گلبرہ ضلع خانیوال کے رب نواز صاحب نے دوسری اور راولپنڈی کے محمد علی صاحب، ڈیرہ غازی خان کے محمد حنیف صاحب اور ساٹھکڑ (سرحد) کے غلام اللہ صاحب نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

فہم القرآن کے پروگرام کے بعد طعام اور صلوٰۃ اللہ کے لئے وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں سرگودھا کے باظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے مدرس کے فرائض انجام دیئے۔ عربی تعلیم کے سلسلے میں دو پروگرام رکھے

کئے تھے چنانچہ ۳۱ اکتوبر کو معلم عربی (حصہ اول) کے اسباق کا اعادہ کرایا گیا جبکہ کیم نو مہر کو معلم عربی حصہ دوم کے اسباق پڑھائے گئے۔

صلوۃ العصر کے بعد سے مغرب تک باہمی تعارف کی نشست ہوئی جس کے دوران ساتھیوں نے مختصر طور پر اپنا اپنا تعارف پیش کیا۔

صلوۃ العشاء کے بعد محمد اعظم خان صاحب نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے سے تقریر کی جس میں انہوں نے قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں عباد الرحمن کے اوصاف بیان کئے۔

بعد ازاں امیر تنظیم کے ساتھ سوال و جواب کی طویل نشست ہوئی۔ اسی طرح کی ایک اور نشست اگلے روز دن کو ہوئی جن کے دوران شرکاء اجتماع کے سوالوں کے جواب دیئے گئے۔ سوال و جواب کی نشست کے بعد مرکزی شوریٰ کی میٹنگ ہوئی۔

کیم نو مہر کو صلوۃ الفجر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ** (نمبر ۱۷۱) پر مشتمل مفصل درس قرآن دیا جس کو بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنا گیا۔ محمدی گل صاحب کے درس قرآن کے بعد اشراق و ناشتے کے لئے وقفہ ہوا۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق تو ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد دعوت الی اللہ کے لئے نکلنا تھا لیکن چونکہ دعوت اللہ کا پروگرام مقامی طور پر وقفہ ۳۳ کی وجہ سے منسوخ کرنا پڑا اس لئے اس وقت کو اس طرح استعمال کیا گیا کہ پہلے حصے میں ڈاکٹر عمر خطاب صاحب کی تقریر ہوئی۔ انہوں نے سورۃ الفاطر کی آیات سے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور طبیعت کی قرابی کے باوجود بڑی مدلل اور موثر تقریر کی جس کو بڑی دلچسپی سے سنا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد بقیہ وقت میں صوبائی امراء نے اپنے اپنے علاقوں میں دعوتی سرگرمیوں کی تفصیل بیان کی۔ سب سے پہلے حکیم محمد رمضان صاحب نے پنجاب کے بارے میں شرکاء اجتماع کو تفصیلات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے لیہ میں مسجد کی تعمیر اور وہاں کے ساتھیوں کی یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کے علاوہ مختلف علاقوں میں نئے حلقوں کے قیام کی خوشخبری سنائی جن میں بہاولپور شرکاء خصوصاً طور پر ذکر کیا۔ وہاں سے ڈاکٹر ناصر جیل صاحب کچھ اور ساتھیوں کے ہمراہ اس تین روزہ اجتماع میں شریک تھے۔ پنجاب میں ہر ماہ کسی نہ کسی شہر میں یا قاعدہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک روزہ دعوت الی اللہ اور تقسیم لٹریچر کا پروگرام ہوتا ہے۔ جس میں شرکت کے لئے تقریباً ہر علاقے سے ساتھی آتے ہیں۔ علاوہ ازیں مقامی طور پر مراکز کی سطح پر الگ دعوت الی اللہ کا سلسلہ جاری ہے۔ آئندہ کے لئے صوبہ پنجاب کو مختلف یونٹس میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں مددگار ترقیاتی پروگراموں کے علاوہ دعوت الی اللہ کا بھی انتظام کیا جائے گا انشاء اللہ۔

سرحد کے امیر ڈاکٹر عمر خطاب نے بتایا کہ سرحد میں پنجاب کے برعکس ہمارے مراکز زیادہ تر ساتھیوں میں ہیں جس کی وجہ سے بعض دشواریاں ہیں تاہم علاقائی سطح پر جہاں مسجد ہے دعوتی پروگرام بھی ہوتے ہیں۔ اور پھر مسجد میں درس قرآن کا

اہتمام ہوتا ہے۔ ہر ماہ دعوت الی اللہ اور درس قرآن کا پروگرام ہوتا ہے۔ حال ہی میں یہی میں ایک نیا مرکز قائم ہوا اور مسجد کی تعمیر بھی عمل میں آئی ہے۔ وہاں کے ناظم ایراد صاحب بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔

مرشد کے بعد صوبہ سندھ کے امیر عبدالغفور صاحب نے اندرون سندھ کی صورت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ بحمد اللہ کونٹ میں مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ جہاں دعوت و تربیت کا کام حسب استطاعت جاری ہے۔ دعوت توحید کی مخالفت زیادہ تر مہولوی کرتے ہیں۔ اویاؤڈو میں مسجد کی تعمیر کے لئے کوشش ہو رہی ہے۔ ڈھرکی میں محمد صدیق صاحب مسجد کی تعمیر کے علاوہ چھوٹا سا مدرسہ بھی چلا رہے ہیں۔ بدین میں مسجد ہے، ساتھی بھی ہیں عبدالصمد صاحب وہاں کے ناظم ہیں۔ ساکنڈ میں نوبوان غلام اللہ اور ان کے چند ساتھی کام کر رہے ہیں۔ شکارپور میں سراج احمد ابواللہ کی توفیق سے سرگرم عمل ہیں اور وہ اس اجتماع میں بھی شریک ہیں۔ سکس میں شبیر احمد انصاری صاحب انفرادی طور پر دعوت کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ میرپور خاص سے بھی چند ساتھیوں سے رابطہ ہوا ہے جو دعوت سے اتفاق کرتے ہیں اور صلوٰۃ الجمعہ کا اہتمام کرتے ہیں جن سے جلد ہی ملاقات کی امید ہے۔ کونڈ کوٹ کے ساتھی ماشاء اللہ پوری یکسوئی سے کام کر رہے ہیں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے کام بڑھے گا۔

بلوچستان کے قائم مقام امیر لال محمد صاحب چونکہ بیمار ہیں (اللہ انہیں شفا عطا فرمائے آمین) اس لئے ان کی جگہ حکیم محمد رمضان صاحب نے وہاں کے حالات سے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ بستی کوڈی میں جو یاد کھان کی ضلعی ہیڈ کوارٹر رکھتی ہے ذرا قافلے پر آباد ہے، ہمارے کافی ساتھی اور مساجد بھی ہیں۔ وہیں پر ایک مرکزی مسجد میں صلوٰۃ الجمعہ کا اہتمام ہوتا ہے ساتھی یکسو اور فعال ہیں۔ مختلف مقامات پر دعوتی لڑیچہ تقسیم کرتے ہیں۔ رکنی شہر میں آئندہ انشاء اللہ دعوت الی اللہ کی امید ہے۔ علاوہ انہیں رکنی سے قریب ایک بستی گڈائی ہے وہاں پر مسجد کی تعمیر عمل میں آچکی ہے وہاں کے ساتھی اور ناظم عبدالکریم صاحب اجتماع میں شریک ہیں۔ آئندہ انشاء اللہ جلد ہی وہاں پر باقاعدہ صلوٰۃ الجمعہ کی ادائیگی کے لئے امید پیدا ہوتی ہے۔

بلوچستان کے بعد آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب نے وہاں دعوتی سرگرمیوں اور مراکز کی تفصیل سے شرکاء اجتماع کو آگاہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ آزاد کشمیر میں داولا کوٹ کے علاوہ دو فعال مراکز تحصیل مہمہر ضلع میرپور میں دھندڑ اور مقبوراتی میں واقع ہیں۔ الحمد للہ وہاں مساجد کے علاوہ کافی تعداد میں فعال اور فعال ساتھی بھی ہیں۔ وہاں مقامی سطح پر دعوت کا کام اور صلوٰۃ الجمعہ کا باقاعدہ اہتمام ہوتا ہے ہر دو مقامات سے محمد افضل بٹ صاحب اور منور علی صاحب اپنے کچھ اور ساتھیوں کے ہمراہ اس اجتماع میں شریک ہیں علاوہ انہیں میرپور شہر میں بھی ہمارا ناظم قائم ہے۔ اگرچہ ساتھیوں کی تعداد کم ہے تاہم وہ مقامی طور پر ایک چھوٹی سی مسجد میں صلوٰۃ الجمعہ وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں۔

داولا کوٹ مسجد میں ہر جمعہ کو قہوانوں کا پروگرام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ چند روزہ تربیتی پروگرام بھی رکھا گیا ہے جو بعد صلوٰۃ الجمعہ ہوتا ہے۔ الحمد للہ آہستہ آہستہ لوگ دعوت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اگرچہ دور افتادہ ہونے کی وجہ سے

ان علاقوں کی کچھ اپنی دشواریاں بھی ہیں تاہم اللہ کا شکر ہے ساتھی یکو ہیں۔ وادیا کوٹ کے تعلق سے ایک حوصلہ افزا خبر ہے کہ حال ہی میں یہاں خواتین کا حلقہ قائم ہوا ہے جس میں دعوت کے کام کی رفتار خاصی حوصلہ افزا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام میں مزید برکت دے اور ہم سب کو اپنی راہ میں قربا و ذوق و شوق اور خلوص سے آگے بڑھنے کی توفیق سے نوازے! آمین۔

دعوتی سرگرمیوں پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے امیر تنظیم نے فرمایا کہ ملک کے مختلف حصوں میں دعوتی سرگرمیوں کی روداد الحمد للہ حوصلہ افزا ہے اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ تربیتی پروگراموں پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ پنجاب میں پچاس سینے کے بعد امید ہے انشاء اللہ رابطہ برومے گا۔ اس لئے سیرت و کردار میں نکھار پیدا کرنے کے لئے تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ دی جائے۔ کراچی میں بھی دعوت و تربیت کا کام اللہ کی توفیق سے برابر جاری ہے۔ مساجد اور نئے حلقوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس موقع پر امیر تنظیم نے بلوچستان کے لعل محمد صاحب کراچی کے محمد افسر صاحب لاہور کے طارق جاوید صاحب اور حافظ صدیق صاحب (کبیر والہ) کی اہلیہ کے لئے شفاء کی دعا کی اور شرکاء اجتماع سے بھی ان کے لئے دعا کی اپیل کی۔ اس کے بعد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین و آرام کے لئے وقفہ ہوا۔ جس کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا۔

بعد صلوٰۃ العصر اصول حدیث کی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں بنیادی اصطلاحات کے بارے میں بتایا گیا۔ مدرس کے فرائض کراچی کے یعقوب علی صاحب نے انجام دیے۔ یہ پروگرام مغرب تک چلا۔ ساتھیوں نے دلچسپی سے سنا۔ اس سے بعد تربیتی اجتماع میں اصول حدیث کی تعلیم کے دو پروگرام رکھے گئے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے کا دوسرا پروگرام اگلے روز یعنی ۲ نومبر کو ہوا۔

صلوٰۃ المغرب اور طعام کے وقفے کے اختتام پر بعد صلوٰۃ الحشاء کبیر والہ کے ماسٹر سر قراؤن سورۃ الزمر کی آیات والنہن اجتنبوا الطاغوت ان یعبلوها۔ کے حوالے سے پنجابی زبان میں بڑی مفصل اور موثر تقریر کی۔ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے دو پہلوؤں اللہ کی بندگی اور طاغوت سے اجتناب کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے واضح کرتے ہوئے ان کو ایمان کی لازمی شرائط قرار دیا اور بتایا کہ یہ انسانیت کے لئے ایک جوہری اور محوری مسئلہ ہے اس کے بعد انہوں نے طاغوت کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کی اور کہا کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ طاغوت کا کفر اس سے برأت و بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ ورنہ معاملہ اس کے برعکس ہو جائے گا جیسا کہ فرمایا گیا۔ والنہن کفروا اولیاءہم الطاغوت (البقرة: ۲۵۷) اسی ضمن میں ماسٹر سر قراؤن صاحب نے اشاعت التوحید والسنہ کے اکابر حسین علی صاحب آف وال پیراں کے بیانات سے جو انہوں نے اپنی تفسیر کے ساتھ لگائے ہیں، شرکاء اجتماع کو آگاہ کیا جن میں وہ نبی علیہ السلام عثمان و علی رضی اللہ عنہما کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ کہ ”نبی علیہ السلام مجھے اپنے حجرے میں لے گئے“ میرے منہ میں اپنا لعاب ڈالا اور یہاں تک کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا۔ اللہ

نے ان سے کہا کہ میں نے تمہیں بخش دیا اور ان کو بھی جنہوں نے تیری پیروی کی وغیرہ وغیرہ (تخوذ باللہ)۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ فرے کس طرح طاغوت پرستی کی لعنت کا شکار ہیں۔

۲۔ فرمیر کو صلوة الفجر کے بعد آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب نے آیت الیز (البقرة : ۱۷۷) کے حوالے سے درس قرآن دیا جس میں نیکی کے حقیقی تصور کو واضح کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں متعلقہ آیات قرآنی کے علاوہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالخصوص بہت ہی موثر مثالیں پیش کیں جن کو دلچسپی کے ساتھ سنا گیا۔ درس قرآن کے بعد اشراق دانش کے لئے وقف ہوا۔

وقت کے بعد پہلے اصول تجوید اور پھر اصول حدیث کی تعلیم کا پروگرام ہوا۔ مدرسین کی ذمہ داری علی الترتیب قاری غلیل الرحمن صاحب اور یعقوب علی صاحب نے سرانجام دی۔ مندرجہ بالا تعلیمی پروگراموں کے بعد پہلے بخش خان (ضلع بہاولنگر) کے محمد حسین فاروقی صاحب نے مختصر تقریر کی پھر کراچی کے سعید احمد صاحب کی تقریر ہوئی۔ سعید احمد صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز سورۃ یونس کی آیات (۹۱-۹۳) المؤمن کی آیت نمبر ۵۹ اور سورۃ النمل کی آیات (۳۱-۳۲) کی تلاوت سے کیا جن کی تشریح کے بعد انہوں نے قرآن و حدیث کے مختلف حوالوں سے اعادہ روح کے باطل عقیدے کی تردید اور عذاب قبر کے سلسلے میں ضروری وضاحت کی اور موجودہ مسالک میں اعادہ روح اور مرنے کے بعد اسی قبر میں جسد عنصری کو عذاب قبر ہونے کا جو غلط اور کتاب و سنت کے برخلاف عقیدہ پایا جاتا ہے اس کو قرآن و حدیث کے دلائل سے رد کیا۔

سعید احمد صاحب کی تقریر اگرچہ مختصر تھی مگر قرآن و حدیث کے دلائل کے اعتبار سے بڑی موثر تھی چنانچہ اس کو شرکاء اجتماع نے کافی پسند کیا۔ اس کے بعد طعام و صلوة الفجر کے لئے وقف ہوا۔

صلوة الفجر کے بعد امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر یہ سہ روزہ تربیتی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ امیر تنظیم نے سورۃ المہید کی آیت سابقوا الی مغفرة من ربکم وجنة (۲۱) کے حوالے سے بتایا کہ دنیا کی زندگی کی حقیقت اور آخرت کے انجام کی صورت حال انسان کے پیش نظر رہنی چاہئے۔ یہ انجام دنیا کی زندگی میں انسان کے طرز عمل کا نتیجہ ہوتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا تو عذاب شدید یا اللہ کی مغفرت اور وسیع عریض جنتیں اور اللہ کی رضا و خوشنودی بخش کے لئے۔ اب ان میں سے چھانٹنا ہے اور اس کے لئے مقابلے میں آگے بڑھنے کے لئے بازی کھیلنا ہے۔ دنیا کا نام و نمود ہیماں کی لذتیں، اونچے مقامات ان جنتوں کے مقابلے میں بے کار ہیں جن کی جوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہوگی۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے مگر شرط ایمان خالص ہے، ایسا ایمان جو شرک اور شک وارتباب سے پاک ہو اور اس کا تقاضا اللہ کی راہ میں جان و مال کی بازی کھیل کر پورا کیا گیا ہو۔ قرآن کی آیات اس طرف سبقت کی تعلیم دیتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اس میدان میں سبقت کا حق ادا کیا، فلاح یاب ہوئے۔ ہمارے لئے بھی یہی صورت آئیگی بل اور نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل و کرم اور اس کا شکر ہے کہ ایسی اجتماعیت سے تعلق رکھ کر جس کا مسلح نظر دنیاوی مقاصد نہیں، ایسے اجتماعات میں اکٹھا ہونے کی توفیق ملتی ہے۔ اس کا حق ادا کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قریضے سے

عمدہ براہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ضروری ہے۔ اسی مقصد کے لئے یہ پروگرام مرتب کئے جاتے ہیں، وقتاً فوقتاً صوبائی اور مرکزی سطح پر۔ آخرت کے طلبکاروں کا انداز یہ ہونا چاہئے کہ اصل مقصد کو سامنے رکھ کر ایسی چیزوں سے فائدہ اٹھائیں۔ حاصل کردہ چیزوں کو ضائع نہ ہونے دیں بلکہ مزید حاصل کرنے کی جستجو رہنی چاہئے۔ شیطان کاوشیں آپ کو راہ راست سے ہٹا دینے کے لئے برابر ہو رہی ہیں اس لئے آپس میں روابط رکھئے اور مستعد رہئے۔ اپنے آپ کو اور اپنے بھائیوں کو ان کی مغالطہ آرائیوں اور شرانگیزیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کیجئے اپنے رب سے مدد مانگئے۔ اللہ ہمیں ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھے! اللہ کا شکر ہے یہ سہ روزہ پروگرام بخیر و عافیت اختتام پذیر ہوا۔ بھائیوں نے خدمت کا حق ادا کیا۔ اللہ کے لئے مال لگایا۔ ان کا اجر تو اللہ کے ہاں ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مالک ان کو برکتوں سے نوازے! آمین۔

پروگرام میں تبدیلی کے لئے معذرت خواہ ہیں، بات ہمارے بس سے باہر تھی۔ ساتھیوں کی تکلیف پر اللہ ان کو اجر دے گا، بہر حال ہم معذرت خواہ ہیں۔ آئندہ پروگرام میں اس کا بھرپور خیال رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کی توفیق دے! آمین۔ امیر تنظیم کے اختتامی کلمات کے بعد شرکاء اجتماع اپنے اپنے مقامات کی طرف لوٹ گئے۔



بقیہ

سند

سوال و جواب

یہی درسیب بن خالد اور سلیمان تھے کا کہتا ہے اور یہی کچھ دوسروں نے بھی کہا ہے۔ یہ کثوب اور شیعہ ہے جس نے برباد کر ڈالا ہے۔ لوگوں نے اس کی بات کو مانا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مسلم میں آتی ہے کہ امام پڑھے تو خاموش رہو۔ امام مسلم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ لائے ہیں کہ جو امام کے پیچھے ہے اس کے اوپر شیئی من القراءة نہیں ہے۔ سورۃ فاتحہ ہو یا غیر فاتحہ، ترمذی لائے ہیں حسن صحیح کہہ کر موطا لائے ہیں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا قول کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ اگر کوئی امام کے پیچھے ہو۔ یہ معاملہ ہے، جہاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بیان کی کہ سورۃ فاتحہ کی کتنی فضیلت ہے۔ ان کے ساتھی نے پوچھا کہ اگر میں امام کے پیچھے ہوں تو کیا کروں؟ فرمایا اپنے دل میں پڑھو، اقراء بھالی نفسک، زبان سے نہیں پڑھنا ہے۔

سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر سعید الدین عثمانی رخصۃ اللہ علیہ

مفت
محمد سلمان علیہ رحمۃ اللہ، فاضل الرحمن

سوال نمبر ۲۰۰۔ کیا چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے؟

جواب :- ہرگز نہیں ہمارے لئے صرف کتاب و سنت کی تقلید ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے احوال کے موقع پر فرمایا:

تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنْ تَضَلُّوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَسَاءَ مَا تَحْكُمُونَ (موطا امام مالک)

ترجمہ :- ”میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ کبھی گمراہ نہ ہو گے اگر انہیں تھاے رہو گے

ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت“

معلوم ہوا کہ ایک کی نہیں دو کی پیروی ضروری ہے۔ ان میں سے کسی امام نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بعد حنفی مالکی یا شافعی ہو جائے۔ انہوں نے کوئی نئی شریعت نہیں بنائی ہے یہ سارے مسلک تو بعد میں بنے ہیں۔ ہاں ان اماموں سے کوئی ایسی بات ہم تک پہنچے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو اسے ہم بالکل تسلیم کریں گے۔ شریعت صرف اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چلے گی۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ..... (النور ۵۴)

ترجمہ :- ”کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو“

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ایک امام کی تقلید لازم ہے تو وہ واضح طور پر قرآن و حدیث کا انکار کرتا ہے۔

سوال نمبر ۲۰۱۔ یہ تقدیر کا مسئلہ کیا ہے؟

جواب :- تقدیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور پھر اپنی تقدیر یعنی اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ اس مسئلہ کی کھوج میں زیادہ نہیں پڑنا چاہئے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے قومیں اسی مسئلہ کے پیچھے پڑنے کی وجہ سے

ہلاک کر دی گئیں۔ انسان کو محدود عقل دی گئی ہے، نبیوات اس کی عقل میں آجاتی ہے وہ سمجھ لیتا ہے۔ تقدیر ایسی چیز ہے جو انسان نہیں سمجھ سکتا۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ اللہ سے پوچھا کہ جب سب کچھ لکھا جا چکا ہے تو پھر ہم عمل کیوں کریں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا کہا کہ عمل کرو اللہ نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ تمہارے لئے آسان کر دیا۔ پس اس سے آگے نہیں سوچنا چاہئے۔ تقدیر حق ہے اسی پر ایمان ہونا چاہئے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

ان اللہ بانع امرہ قد جعل اللہ لكل شئی قلعاً (الطلاق ۳)

ترجمہ : ”بی شک اللہ اپنے کام کو پورا کر دیتا ہے۔ یقیناً اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“

سوال نمبر ۳۰۰ کیا یہ درست ہے کہ آدم علیہ السلام کی دعا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے قبول ہوئی؟

جواب : بالکل جھوٹ اور صریح بہتان ہے جو اللہ کے پہلے نبی آدم علیہ السلام پر پاندھا گیا ہے۔ یہ ایک بالکل جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے۔ اسے اہل سنت والے تو بیان کرتے ہی ہیں دیوبندیوں کی (جو اپنے آپ کو موحّد کہتے ہیں) ایک شاخ تبلیغی جماعت کے بانی زکریا صاحب نے بھی اپنی کتاب تبلیغی نصاب میں (جس کا موجودہ نام فضائل اعمال ہے) تحریر کیا ہے۔ اس موضوع روایت میں یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے گناہ سرزد ہو گیا تو آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تمہیں محمدؐ کے بارے میں کیسے علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ یہ نام میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا وہ تمہاری اولاد میں سے ہوں گے اور آخری نبی ہوں گے اگر وہ نہ ہوتے تو میں کائنات پیدا نہ کرتا۔ چنانچہ اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو گا۔ مالک تو قرآن میں جگہ جگہ پوری انسانیت کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے لوگو! یہ زمین و آسمان تمہارے لئے بچھائے گئے ہیں یہ سورج چاند اور ستارے تمہارے لئے مسخر کئے گئے ہیں۔ پھل اناج اور سارے میوہ جات تمہارے لئے پیدا کئے گئے ہیں تاکہ تم انہیں استعمال کرو اور پھر اپنے رب کا شکر یہ ادا کرو اور خالص اسی کی بندگی کرو۔

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون۔ (الذاریات ۵۶)

ترجمہ : ”میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔“

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس کی بندگی کی جائے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اپنی بندگی کرنے اور کرانے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ سرا جھوٹ اسی روایت میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگی حالانکہ قرآن تو کہتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے غلطی ہو گئی تو ان کے پاس توبہ اور معافی کے لئے الفاظ نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے اور پھر توبہ کی۔

فلنقلی آدم من ربه کلمات لثاب علیہ..... (البقرہ ۲۳)

ترجمہ : ”پس آدم علیہ السلام نے کچھ کلمات اپنے رب سے سیکھے (اور معافی طلب کی) تو اس نے ان کو

معاف کر دیا۔“

اور وہ کلمات بھی مالک نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیئے:

وَمَا ظَلَمْنَا انْفُسَنَا وَ اِنْ لَمْ نَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۳)

ترجمہ: "اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہمارے اوپر رحم

نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

صاف پتہ چل گیا کہ یہ موضوع حدیث قرآن سے سراسر متضاد ہے اور بیان کرنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ لیکن

ذکر کیا صاحب نے اس حدیث کو نہ صرف اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے بلکہ اس پر عقیدہ بناتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔ اب جس جماعت کی بنیادیں کفر و شرک پر ہے تو آگے اس کا کیا حال ہو گا۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۸۸۔ کیا نماز درود پڑھے بغیر ہو جاتی ہے؟

جواب۔ شبہ بالکل ہو جاتی ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں کوئی قید نہیں لگائی ہے کہ جب تک تشہد میں درود نہ پڑھو تو نماز نہیں ہوگی۔ سنت کا قاعدہ یہ ہے کہ التیمات پڑھو اور اس کے کے بعد جو بھی دعا تمہیں مرغوب اور پسندیدہ ہو اسے پڑھو۔ ایک مسلمان کے لئے پسندیدہ یہی ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ سے رحمت کی دعا کرے جو اللہ کے آخری نبیؐ ہندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس دعا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اللہ کی رحمت کے محتاج ہیں اللہ کے ساتھ شریک نہیں۔ پھر اس دعا کے بعد جو دعا وہ پڑھنا چاہتے پڑھے چاہے وہ اپنے لئے ہو اپنے والدین کے لئے ہو یا دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچنے اور جہنم کی آگ سے خلاصی کے لئے ہو تشہد میں ہر قسم کی دعائیں مانگی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ ساری دعائیں سلام سے قبل تشہد ہی میں ہیں اسی لئے بخاری نے باب باندھا ہے "الدعا قبل السلام" سلام کے بعد کوئی دعا نہیں صرف ذکر ہے۔

سوال نمبر ۱۸۹۔ سمجھو کی تمہیلوں پر یا داتوں پر تسبیح پڑھنا جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں کیا ہے؟

جواب۔ یہ بدعت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ انگلیاں قیامت کے دن تسبیح پڑھنے والے کے حق میں گواہی دیں گی۔ (ترمذی و ابوداؤد)

سوال نمبر ۱۹۰۔ نماز استحارہ کے بارے میں بتائے۔

جواب۔ اس بارے میں بخاری، ابوداؤد اور ترمذی روایتیں لائے ہیں۔ بخاری میں جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استحارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی کوئی سورۃ سکھاتے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی اگر کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے۔

اللہم انی استغفرک علیک..... الخ

اور جب وہ یہاں تک پہنچے کہ

اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ هٰذِهِ الْاَسْرُخِيْرُ لِيْ فِىْ دِيْنِيْ وَ مَعٰشِيْ.....

تو اپنے اس کام کو زبان سے کہے اور اگر عربی نہیں جانتا ہے تو دل میں تصور کر لے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر کام کرنے سے پہلے استخارہ کا حکم دیتے۔ کچھ روایتوں میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سب سے مشورہ کرے لیکن اللہ سے استخارہ نہ کرے وہ بڑا بد نصیب ہے۔ جو کوئی اللہ سے استخارہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ البتہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد اس کام کی اچھائی یا برائی خواب میں معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ غلط بات ہے اسکا حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

سوال نمبر ۲۰ :- ڈاکٹر صاحب اگر کسی مسجد میں "یا محمد" "یا رسول اللہ" وغیرہ لکھا ہو تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب :- جن مساجد میں ایسے کلمات لکھے ہوں وہ مسجدیں نہیں ہیں بلکہ عبارت گاہیں ہیں کیونکہ مالک ارشاد فرماتا ہے۔

وَ اِنْ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ لَا تَسْبُحُوْا سُبْحَانَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝..... (سورة البجن : ۱۸)

ترجمہ :- "اور بیشک مسجدیں تو اللہ ہی کے لئے ہیں پس (وہاں) اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو"

ایسے لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو اس کی ذات، صفات اور اختیارات میں شریک کرتے ہوں۔ دوسروں کے قبرے لگاتے ہوں، دوسروں کو داتا، وغیرہ اور مشکل کشا گردانتے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قبر میں زندہ سمجھتے ہوں، تعویذ لگاتے ہوں، اللہ کو بغیر واسطہ اور وسیلہ کے نہ پکارتے ہوں ان پر تو نماز فرض ہی نہیں ہے۔ نماز تو مالک نے صرف مومنوں پر فرض کی ہے (النساء) ایسے لوگوں کو تو مسجد تعمیر کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ مالک فرماتا ہے:

مَا كَافٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَمْرُوْا سَاجِدًا لِلّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (التوبة ۱۷)

ترجمہ :- "مشرکوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد تعمیر کریں اور آپاد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر

کی گواہی بھی دے رہے ہوں"

پس مالک کے ان ارشادات کے مطابق ایسی مسجدوں میں جہاں اللہ کے ساتھ کفر و شرک کیا جا رہا ہو وہاں مومنوں کو انفرادی نماز بھی نہیں پڑھنی چاہئے۔ مشرکوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں۔

سوال :- صحیح حدیث سے جلد استراحت اور تو رک ثابت ہے۔ کیا اس کا کرنا لازم ہے؟ اگر نہیں تو اس کو حدیث سے ثابت کریں۔

جواب :- بخاری اس کو لائے ہیں ابو حمید ساعدی کی روایت میں اور اس میں انہوں نے دکھایا ہے کہ عبد اللہ بن عبد اللہ جب نماز میں چار راتوں ہو کر بیٹھے تو ان کے والد عبد اللہ بن عمر نے استغفار کیا کہ تم اس طرح کیوں بیٹھے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ بابا میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ اسی طرح بیٹھتے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ تو میرے لئے معذوری ہے

اس لئے اس طرح بیٹھتا ہوں ورنہ اس طرح بیٹھنا نہیں چاہئے بلکہ دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہئے۔

تو بخاری یہ لائے کے بعد ابو حمید ساعدیؓ کی روایت اسی باب میں لائے ہیں اور اس طرف اشارہ کر دیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری وقت میں ابو حمید ساعدیؓ نے دیکھا ہے تو اس وقت تو وہ آپؐ کا عذر تھا۔ تو اس طرح یہ عذر کا معاملہ ہے ورنہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قعدے میں بیٹھتے تھے تو دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے اور بائیں پیر کو پچھلایا کرتے تھے اور اس پر بیٹھتے تھے۔ بخاری اس بات کو اس انداز سے لائے ہیں کہ یہ عذر کا معاملہ ہے۔ جیسے جلسہ استراحت کو بھی لائے ہیں کہ یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت لا کر باب ہاتھ دھا "من استوی قاعدہ فی وقتہ ثم نهض" کہ اگر کوئی پہلی اور تیسری رکعت میں جم کر بیٹھ جائے پھر اٹھے تب بھی جائز ہے کیونکہ یہ اصلی قعدہ نہیں ہے۔ اس کو جزو نماز بنانے والوں نے پانچ روایتوں کو جو مختلف صحابہؓ سے ہیں ملا کر ایک ایسی نماز بنائی ہے جو کسی ایک صحابی کی بھی نہیں ہے۔

جلسہ استراحت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس کے اندر دفع یدین بھی ہے اور تورک کی روایت ابو حمید ساعدیؓ سے ہے جس کے اندر دفع یدین نہیں ہے "ان سب کو ملا کر ایک نماز بنا دی ہے جو ایک صحابی سے ثابت نہیں" جو بالکل عجیب اور تاوہ نماز ہے۔ تو اس طرح بتایا کہ یہ تورک ہے بالکل جائز ہے کیونکہ بخاری کی حدیث کے مطابق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ کا جسم بھاری ہو گیا تو بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ یہاں بھی اشارہ فرمادیا کہ بالکل اسی طرح جیسے عبد اللہ بن عمرؓ چار زانو ہو کر بیٹھتے تھے وہ بھی مجبوری سے اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ مجبوری تھی اور یہ صحیح ہے کہ جو ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں بالکل انہوں نے دیکھا ہے۔

سوال : کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ نبی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو قرآن میں سے کچھ نہ پڑھو موائے سورہ فاتحہ کے کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟

جواب : بالکل غلط ہے یہ ایک صرف محمد بن اسحاق بن عمار جو شیعہ ہے جس نے دین کو برباد کیا ہے یہ صرف اس کا تقرو ہے۔ عمار بن صلیب رضی اللہ عنہ کے نام سے جہاں اس نے اور یہاں کی ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی نہیں تھی اور یہی بات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس نے منسوب کی ہے۔ یہی محمد بن اسحاق ہے جو کہتا ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ اپنے بچوں کے گھوں میں تعویذ لٹکاتے تھے۔ یہ ساری کفر و شرک اور شیعت کی باتیں اس ظالم نے عام کر دی ہیں اس انداز میں۔ اور اس حدیث کے اندر بھی اس کا تقرو ہے۔ یہ سُن بھی ہے "عن سے روایت کرتا ہے۔ اس کو امام مالکؒ کہتے ہیں رجال من الدجال۔ حشام کہتے ہیں حدیث گھڑنے والا وضاع اور کذاب ہے۔

مومنوں کے باہمی تعلقات

محمد اعظم خان

اہل ایمان و دنیا میں ایسی انقلابی تحریک کے داعی ہوتے ہیں جس کا مقصد وحشی عالمگیر انقلاب برپا کرنا ہے۔ ایک ایسا انقلاب جس کے نتیجے میں سارے عالم پر اللہ وحد لا شریک کی حکمرانی، اس کی بڑائی و برتری بالفعل قائم ہو اور ساری انسانیت اپنے حقیقی خالق و مالک کی بندگی کے رشتے میں منسلک ہو کر رب ذوالجلال کی کائنات میں اس کی حمد و ثناء اور تسبیح بیان کرنے والی دیگر مخلوقات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے، فساد فی الارض کو ہوا دینے والی شیطانی تحریک اور اس کی موسیٰ اللہ کی نافرمانی پر گمارہ انسانی مساعی دم توڑ دے اور اس طرح اللہ کی یہ زمین جو انسانیت کی بقاوت و سرکشی، کفر و شرک اور الحاد کی تحریکوں کے زیر اثر ظہور الفسادی البر والبحر کا نقشہ پیش کرتے ہوئے خود اس کے لئے آتش کدہ بنی ہوئی ہے، ایمان و اسلام کی برکت سے امن و سلامتی کا گوارہ بن جائے۔

ایسی مبارک تحریک کے مقصد ساتھیوں کی عملی تربیت کے لئے دعوت و تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ کا ایک وسیع میدان ہے جو ایک مسلسل اور پیہم عمل ہے لیکن اس راہ میں قدم قدم پر مزامتیں اور محافضاتیں ہیں، منت سے نکلنے اور شرانگیزیوں ہیں جن سے اہل ایمان کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس طویل و جاں گسل جدوجہد اور صبر آزمائی تکفل میں کامیابی سے آگے بڑھنے کے لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیمات میں ایمانداروں سے جس طرز کے سیرت و کردار، جذبہ ایثار و قربانی، باہمی تعلقات اور بھائی چارے کا تقاضہ کیا گیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد عملی طور پر اپنایا جائے تاکہ اس انداز سے پروان چڑھنے والی اجتماعیت سے منسلک ایماندار ساتھی دنیا والوں کے لئے ایک قابل عمل نمونہ بنیں اور یہ دعوت آج کی درماندہ و سیاسی انسانیت کی توجہ کا مرکز بنے۔ اس طرح ان کی کوششیں مطلوبہ برگ و بار لائیں اور وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق ٹھہریں۔

قرآن و حدیث کے حوالے سے ایمان والوں کے درمیان باہمی تعلقات اور بھائی چارے کی نوعیت اور ان کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں سیرت و کردار کی جن بنیادی خصوصیات اور ضروریات کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ ان کی مختصر تفصیل درج ذیل طور میں بیان کی جاتی ہے۔

اخوت و محبت

قرآن کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ جاہلات و معصیتوں اور گمراہ ہندوں کی

عام روش سے ہٹ کر خالص ایمان و عقیدت کی بنیاد پر انسانیت کی شیرازہ بندی کی ہے اور الھکم الدواحد کی بنیاد پر موت پر ایک کھنے والوں پر مشتمل ایک اجتماعیت قائم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے درمیان قائم ہونے والے اس رشتہ کی وسعت اور گہرائی کے اظہار کے لئے قرآن میں "اخوة" کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ فرمایا :

انما المؤمنون اخوة لاصحابین اخویکم۔ (الحجرت : ۱۰)

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان (تعلقات میں) اصلاح کیا کرو۔"

قرآن کی یہ آیت ساری دنیا کے مسلمانوں کو جو ایمان کے رشتے میں منسلک ہیں، آپس میں ایک برادری کے تعلق میں جوڑتی ہے۔ ان کے درمیان عقیدہ و فکر کی ہم آہنگی پر مبنی یہی وہ تعلق ہے جسے اخوت کہتے ہیں اور جو اہل ایمان کے قلوب میں باہمی محبت (الحب للہ) کی اصل بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی اہمیت اور اس کے تقاضے کو نبی علیہ السلام نے بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے تاکہ ایمان والوں کے اندر صحیح معنوں میں اس کا احساس جاگزیں ہو اور وہ اس کی قدر دانی کا حق ادا کر سکیں۔ احادیث رسول ملاحظہ فرمائیے۔

○۔۔۔ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی ضرورت میں کام آتا ہے اللہ اس کی ضرورت میں کام آئے گا اور جو کسی مسلمان سے تکلیف دو کرے اللہ اسے قیامت کے حساب میں سے ایک مصیبت سے نجات عطا فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پرہیزگاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پرہیزگاری پر شہادت فرمائے گا۔" (متفق علیہ)

○۔۔۔ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس سے بدویائی کرتا ہے نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اس کی مدد سے ہاتھ کھینچتا ہے۔ ہر مسلمان کی عزت مال اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔" (ترمذی)

○۔۔۔ "مومنوں کی مثال آپس میں رحمہ اللہ و لگاؤ اور باہمی تکلیف کے احساس میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی وجہ سے بخار و سبے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" (متفق علیہ)

○۔۔۔ "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں۔" (بخاری)

○۔۔۔ "ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان و مال اور عزت حرام ہے۔" (مسلم)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں ایمان کے رشتے کی وجہ سے جو باہمی محبت اور الفت کا جذبہ پیدا فرمایا ہے وہ اس کے عظیم احسانات میں سے ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں اہل ایمان کو اس کی یاد دہانی ان الفاظ میں کرائی گئی ہے۔

واذ کروا نصحت اللہ علیکم اذ كنتم اعداء فالتق بن قلوبکم لاصبحتم بھمتہ اخواناً (آیت نمبر ۱۰۳)

"اور یاد کرو اللہ کی اس نصحت کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی عہد داری سے بھائی بھائی ہو گئے۔"

کنیں نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ یہ ہمارا فی فضل و کرم تھا کہ ہم نے کفار کے مقابلے میں آپؐ کو اپنی نصرت اور اہل ایمان کے دلوں میں الفت ڈال کر ان کے تعاون سے تو ازاؤ نہ آپ سارے جہاں کی دولت خرچ کر کے بھی ان کے دلوں میں آپس کی نفرت اور عداوت سے بھرے ہوئے جذبات کی جگہ الفت نہیں ڈال سکتے تھے ۔

هو الذي ابدك بنصره وبالمؤمنين ○ وائف بن قلوبهم لو انفلت مالي الارض جميعا ما انفلت بين قلوبهم ولكن الله افهمهم۔ (الانفال : ۳۳-۳۴)

”یہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد اور مومنوں (کی جمیعت) کے ذریعے تقویت بخشی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تو تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔“

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کے درمیان باہمی محبت اور ہمدردی کو ایمان کی شرط اور اللہ کے ہاں بڑے اجر و ثواب کا باعث قرار دیا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

○۔۔۔ ”جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے نبی و رشتہ کی“ اللہ کیلئے دیا اور اللہ ہی کے لئے روکا تو اس نے ایمان کی تکمیل کر ڈالی۔“ (ابوداؤد و ترمذی)

○۔۔۔ ایک طویل حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قیامت کے دن جبکہ اللہ کی رحمت کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا سات قسم کے افراد اس کی رحمت کے سائے کے نیچے جبکہ پائیں گے۔ انہی خوش نصیبوں میں وہ افراد بھی ہونگے جنہوں نے صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کی اسی کی رضا کے لئے جمع ہوئے اور اسی کے لئے جدا ہوئے۔ (بخاری) اسی طرح آپؐ نے ایمان کی حلاوت کا مزہ چکھنے والے کے لئے جو تین شرائط بیان فرمائیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے۔

○۔۔۔ ان يحب العمرة لا يحبها الا لله (بخاری کتاب الایمان)

”بلکہ وہ آدمی کسی سے محبت کرے اور یہ محبت اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ ہو۔“

ظاہر ہے اللہ کی رضا کے لئے یہ محبت صرف اللہ کے مومن بندوں ہی سے ہو سکتی ہے۔

باہمی تعاون و ہمدردی

اللہ کی کتاب اہل ایمان کو ان کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کے تعلق سے ایک دوسرے کے بھائی دوست اور مددگار کے طور پر پیش کرتی ہے۔ جس کی تائید نبی علیہ السلام کی احادیث سے ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان قبول کرنے کے بعد نہ صرف انفرادی لحاظ سے روزِ موزندگی کی ضروریات کو پورا کرنے اور خود کو اللہ کی بندگی پر استوار رکھنے بلکہ اجتماعی سطح پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورت میں اصلاح احوال کے اہم ترین قرینے سے عمدہ برآہونے کے سلسلے میں ایک دوسرے کا بھرپور اور مخلصانہ تعاون حاصل کر سکیں۔ چنانچہ فرمایا :

والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض ما سرف بالمعروف والنهي عن المنكر ويقيمون الصلاة
ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله * أولئك سيرحهم الله (التوبة : ۱۷)

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں“ یہی حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے
ہیں۔ صلوٰۃ قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی وہ لوگ
ہیں جن کو عنقریب اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔“

گویا ایمان کی وجہ سے خیر سے دلچسپی اور شر یا برائی سے نفرت ان کے درمیان ایک قدر مشترک ہے جس کے تحت وہ
اللہ کی بندگی اور قربانیاں داری پر قائم ہیں اور اہم ترین یعنی قرآن کی اولیٰ گئی اور اس راہ میں آنے والی آزمائشوں کے دوران
ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

ان الذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا بأموالهم وأنفسهم في سبيل الله والذين أووا وأنصروا أولئك
بعضهم أولياء بعض۔ (الأنفال : ۷۲)

”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ
جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔“
سورۃ انفال ہی میں ایسے لوگوں کے ایمان کی ان الفاظ میں تصدیق فرمائی گئی اور ان کو اللہ کی طرف سے مغفرت اور
عزت والے رزق کی خوشخبری دی گئی ہے فرمایا :

والذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله والذين أووا وأنصروا أولئك هم المؤمنون حقا
لهم مغفرة ورزق كريم۔ (الأنفال : ۷۳)

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں مومن و مسلم کی صفت بیان ہوئی ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے اس
کے مسلمان بھائی محفوظ رہتے ہیں وہاں مہاجر کی تعریف ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

والمهاجر من هجر ماله عن الله عنده (بخاری۔ کتاب الایمان) کہ ”مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو ترک کر دے جن
سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔“ یعنی ایمان کے تقاضے کے طور پر عام گناہ و معصیت کی باتوں سے اپنے آپ کو بچانے کے علاوہ
اگر ضرورت پڑے تو گھریار مال و اسباب یہاں تک کہ علاقے و وطن کو بھی چھوڑ دے۔ ظاہر ہے اللہ کی ذات سے اس
خلوص اور عزم و ارادے سے وابستگی رکھنے والوں کو دنیا والے ٹھنڈے چیلنجز برداشت نہیں کیا کرتے۔ اس راہ میں قدم قدم
پر آزمائشوں سے سہاقہ پیش آتا ہے ایسی صورت حال سے دوچار ایمان کے رشتے میں شریک اقراؤ جو آپس میں تعاون
کرتے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹتے ہیں اور اللہ کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داریوں سے عمدہ برآمد ہونے کے لئے
ہم مل کر جدوجہد کرتے ہیں، اللہ کے ہاں ان کے اجر کا کیا گنا! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کے درمیان
اسی تعلق خاطر اور ان کے ایک دوسرے کے لئے باعث تقویت ہونے کو اس طرح بیان فرمایا ہے :

○۔۔۔۔۔ ”مومن آپس میں ایک دوسرے کے لئے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسری سے تقویت پاتی ہے پھر آپ نے (سمجھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔“ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں سیدھا چلائی ہوئی دیوار کی طرح صاف پاندھ کر لڑنے والوں کے لئے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتا ہے :
 اِنَّ اللّٰهَ يَحِبُّ الشَّجِيْثَ يَتْلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًا كَانْتَهُم مِّنْ مَّوْصُوْمٍ۔ (الصافات : ۲۴)

○۔۔۔۔۔ ”مومنوں (کے درمیان تعلقات) کی مثال ایک شخص داعد کی سی ہے کہ اگر اس کی آنکھ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کا پورا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے اور اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس کا پورا وجود تکلیف کا شکار ہوتا ہے۔“ (مسلم)

○۔۔۔۔۔ ”مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق ہیں۔ جب اس سے ملو تو اسے سلام کرو، جب وہ تم کو دعوت دے تو اس کو قبول کرو، جب اسے چھینک آئے اور وہ اللہ کی حمد کرے (یعنی الحمد للہ کہے) تو اسے سلامتی اور رحمت کی دعا دو (یعنی یہ تمک اللہ کرو) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور جب اس کی موت واقع ہو تو اس کے جنازے میں شرکت کرو۔“

گویا یہ ایک آئینہ ہے جس میں باہمی تعاون و مدد دہی اور حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں عملی صورت حال کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔

خیر خواہی

اللہ کے دین میں صحیح یا خیر خواہی کی کیا اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں اسے بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوتی جدوجہد کا ایک عنوان قرار دیا ہے۔ یعنی جب وہ رسالت کی ذمہ داری سے ہمہہ برآمد ہونے کے لئے لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاتے ہیں تو اپنی کسی غرض کے بجائے خالصتاً ان کی بھلائی اور خیر خواہی کے حوالے سے دعوت پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر نوح علیہ السلام اپنی قوم سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں :

اَقَالُ لَكُمْ لِسِيْ بِيْ ضَلٰكٍ وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَلْعَمٰكُم رَسٰلٰتِيْ وَاَنْصَحْ لَكُمْ وَاَعْلَمُ بِنِ
 اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (الاعراف : ۶۴-۶۵)

”انہوں نے کہا اے میری قوم! میں کسی طرح کی گمراہی کا شکار نہیں ہوں بلکہ میں تمہیں پروردگار عالم کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا تمہیں علم نہیں۔“

ہو علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے اسی صحیح و خیر خواہی کے حوالے سے دعوت حق پیش کرتے ہیں :

اَتَلْعَمٰكُم رَسٰلٰتِيْ وَاَنْصَحْ لَكُمْ وَاَعْلَمُ بِنِ۔ (الاعراف : ۶۸)

"میں تم تک اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا قاتل اختیار فرماؤں۔"

اسی طرح سورۃ الشعراء میں نوح علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب کرتے ہیں :

وما اسئلكم عليه من اجر ؕ ان اجرى الا على رب العالمين۔ (آیت ۲۵)

"اور میں تم سے اس (دعوت کے) کام پر کوئی سلیب یا معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو پروردگار عالم ہی کے پاس ہے۔"

جب عام انسانیت کے حوالے سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں خیر خواہی کا یہ انداز ہے تو پھر اہل ایمان کے درمیان باہمی خیر خواہی کے مطلوبہ معیار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث میں خیر خواہی کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ قرآن کے مطابق یعنی "النصحۃ" ہے۔ دین میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے دین کی جن اہم ترین باتوں پر بیعت لیتے تھے ان میں مسلمان بھائی کے لئے خیر خواہی بھی شامل ہوتی تھی۔ چنانچہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

باعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقام الصلوٰۃ و اداء الزکوٰۃ و النصح لكل مسلم۔ (متفق علیہ)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی صلوٰۃ قائم کرنے پر زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کے لئے نصح و خیر خواہی کرنے پر۔"

نکس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

العین النصیحة قلنا لمن قال لله ولكتابه ولرسوله والانس المسلمین وعامتہم (مسلم : کتاب الایمان)

کہ "دین غلو میں اور خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم (صحابہؓ) نے پوچھا کس کے لئے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ کے لئے"

اس کی کتاب اور اس کے رسول کے لئے "مسلمانوں کے امراء اور تمام مسلمانوں کے لئے۔"

گویا اہل ایمان کے درمیان صحابہؓ خیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ ایک مومن بالکل خالص اور بے آمیز طریقے پر اپنے دوسرے بھائی کی بھلائی اور بہتری کا خواہش مند ہو۔ جس طرح اپنی ذات کے تعلق سے اس کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب و بامراد ہو، اسی طرح ہر مسلمان بھائی کے لئے بھی اس کا یہی جذبہ اور تمنا ہو۔ "فصل ناصح" اس شد کو کہتے ہیں جو بالکل خالص اور ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہو۔ چنانچہ ایمان والوں کے درمیان یا نہی نصح و خیر خواہی کے اندر بھی یہی روح کارفرما ہونی چاہئے کہ جس طرح ان کا ایمان ہر طرح کے شرک سے پاک ہوتا ہے، ان کے درمیان خیر خواہی کا جذبہ بھی سراسر اخلاص پر مبنی ہو۔ اس کی اہمیت درج ذیل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہوتی ہے "فرمایا :

لاؤ من احدکم حتی یحب لایحبه ما یحب لنفسہ (متفق علیہ)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صحیح مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند کرے

جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

ایثار و قربانی

جب ایک مومن و مسلم اپنے بھائی کی ذات کو اپنے اوپر اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا ہے۔ خود

تکلیف اٹھا کر اس کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور خود بھوکا رو کر اس کو کھلانے کی فکر کرتا ہے تو یہ اس کا اپنے بھائی کے لئے ایثار ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت مدینہ کے بعد انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کرائی تو جس طرح انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کی ضروریات کا خیال رکھا ان کو اپنے دو میان جگہ دی مگر کے سلمان اور اپنے مال میں سے ان کو برابر کا حصہ دینے کا اعلان کیا یہاں تک کہ جس کے نکاح میں دو بیویاں تھیں اس نے ان میں سے ایک کو اپنے بھائی کی پسند کے مطابق طلاق دے کر اس کے نکاح میں دینے کی پیش کش کی تاہم انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ فرض جنگ ہو یا امن جنگی کا دور ہو یا قراچی صحابہ کرام کی زندگیاں باہمی ایثار کے ان واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایثار و قربانی کے جذبات کو اس طرح سراہا اور اس کی قدر دانی فرمائی ہے:

وَلَوْ ثَرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

”اور وہ اپنے نفس پر دو سروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ چاہے خود جنگی ہی میں کیوں نہ ہوں۔“ (الحشر: ۹)

اس سلسلے میں ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس ایک بھوکا شخص آیا آپ نے اپنی ازواج کے پاس سے کچھ کھانے کو منگوایا مگر معلوم ہوا کہ گھر میں کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ نے وہاں پر موجود لوگوں سے کہا کہ کوئی ایسا آؤی ہے جو رات اس کی سہان نوازی کرے اللہ کی رحمت کا مستحق ہے۔ اس پر ابو طلحہ انصاریؓ نے آمادگی کا اظہار کیا اور اس شخص کو اپنے گھر لے گئے۔ گھر جا کر بیوی سے معلوم ہوا کہ گھر میں صرف بچوں کی ضرورت کے لئے کھانا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو بھلا پھسلا کر ملا دو اور چراغ بجھا دو۔ ہم دونوں بھی کھانا نہیں کھائیں گے۔ چنانچہ ان کی بیوی ام سلیمؓ نے ایسا ہی کیا۔ اگلے روز جب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا ہے (بخاری)۔ یہ تنگ و تنگی میں ایثار کا واقعہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان اپنے لئے کم ترجیح پر راضی ہو جائے اور اپنے بھائی کو بہتر چیز دے دے۔ جس کے نتیجے میں باہمی طور پر مخلصانہ تعلقات وجود میں آتے ہیں جو اللہ کی رضا و خوشنودی کے حصول کا باعث بنتے ہیں۔

عفو و درگزر

عفو سے مراد معاف کرنا ہے۔ لیکن غصہ کو ضبط کرنا، صبر و تحمل اور بردباری بھی اسی کے ذیل میں آتے ہیں باہمی تعلقات اور معاملات میں انسانوں سے اکثر ایسی باتیں سرزد ہوتی ہیں جو دوسروں کے لئے ناگواری اور تکلیف کا باعث بنتی ہیں ایسے موقعوں پر انسان کو غصہ آتا ہے اور جب وہ غصے کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے اندر مخالفانہ اور انتقامی جذبات پرورش پاتے ہیں۔ بسا اوقات اسے قانونی طور پر بدلہ لینے کا حق بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ عفو و درگزر کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے مواقع پر انسان اپنے غصے کو پی جائے اور انتقام کا حق اور اس کی قدرت رکھنے کے باوجود انتقام لینے سے گریز کرے۔ اللہ کا دین اپنے ہاتھ والوں سے بالخصوص اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے اندر غصہ پر قابو پالنے کی صلاحیت پیدا کریں

اور باہمی تعلقات میں ایک دوسرے کی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے بجائے غصہ و درگزر سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بدلہوں کا یہ طرز عمل بہت پسندیدہ ہے۔ فرمایا :

الَّذِينَ يَنْظُرُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاثِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَاقِلِينَ عَنِ النَّاسِ * وَاللَّهُ يَعْطِبُ الْمُحْسِنِينَ
○ (آل عمران: ۱۳۴)

”جو آدمی اور عورتی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جاتے والے اور لوگوں سے درگزر سے کام لینے والے ہیں۔ اور اللہ ایسے انسان کی روش اختیار کرے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“
اللہ کا مومن بندہ تو بیک وقت خیر کا داعی بھی ہوتا ہے۔ اس لئے اسے جب کسی جاہلانہ مخالفت سے سابقہ پیش آتا ہے تو وہ ایسے کا جواب پتھر سے دیتے یا جواب اسی طرز کی جاہلانہ بحث و تکرار میں الجھنے کے بجائے سلامتی و وقار کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا :

وَإِنَّا خَاطَبْنَاهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ○ (التحرکات)

ایک دوسرے مقام پر اہل ایمان کی یہ تمایاں صفت اس طرح بیان کی گئی ہے :

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كِبَارَ الْأَثَمِ وَالْقَوَاسِ وَأِنَّا مَا عَطَيْنَاهُمْ يَغْفِرُونَ ○ (الشوری: ۳۷)

”اور وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب انہیں قصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔“
سورۃ الاعراف میں نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے :

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (آیت ۱۹۹)

”غصہ و درگزر اختیار کر اور نیک کا حکم دو اور نادانوں سے اعراض کر۔“ کہیں کہا گیا :

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوْهُمْ لِي الْأَمْرِ ○ (آل عمران: ۱۵۹)

”ان کو معاف کر اور ان کے لئے (اللہ سے) مغفرت طلب کر اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کر۔“

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہل ایمان کو باہمی تعلقات اور معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ غصہ و درگزر سے کام لینے کی تعلیم فرمائی اور جہاں تک غیظ و غضب اور سختی کا تعلق ہے اس سلسلے میں آپ کا اسوہ بھی رہنمائی فرماتا ہے کہ اس کا اظہار انسان کی ذاتی زندگی کے معاملات میں نہیں بلکہ دین اور حدود اللہ کی پاسداری میں ہونا چاہئے۔ احادیث و رسول ملاحظہ فرمائیے :

○ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عَنِ الْغَضَبِ (متفق علیہ)

”ہیمارہ وہ نہیں جو کشتی میں دو سمروں کو بچھاڑ دے۔ دراصل ہیمارہ وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو پالے۔“

○ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی معاملے

میں کبھی انتقام نہیں لیا۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی غمخواری ہوئی تو میں پامال کی جارہی ہوں تو اللہ کے لئے ان کا

انتقام ضرور لیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

○ عاتکہؓ سے مروی ہے کہ جب قبیلہ نبی مخدوم کی ایک عورت سے چوری کا واقعہ سرزد ہوا تو قریش کے لوگوں کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اسماءہ بن زیدؓ کو آپؐ کے پاس سفارتی کے لئے بھیجا کہ اس عورت کو معاف کر دیا جائے۔ اس پر نبی علیہ السلام نے سخت نکواری کا اظہار فرمایا اور لوگوں کے سامنے یہ خطبہ دیا!

انما اهلك النمن من ليلكم انهم كانوا اذا سرق ليهب الشرف تركوه واقا سرق ليهب الضيف اقاموا عليه الحد و ايم الله! لو ان فاطمة بنت محمد سرق لقطعت ليلها (متفق علیہ)

”تم سے پہلے لوگوں کو جس چیز نے ہلاک کیا وہ یہی تھی کہ اگر ان میں سے کوئی صاحب حیثیت آدمی چوری کا ارتکاب کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور اگر کسی کمزور آدمی سے یہی جرم سرزد ہوتا تو اس کے اوپر حد نافذ کرتے۔ پھر فرمایا: اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتے تو مجھے اس کا ہاتھ کاٹ دوں۔“

اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاتکہؓ کے گھر میں ایک ایسا پردہ لٹکا ہوا دیکھا جس پر سورتیں بنی ہوئی تھیں تو آپؐ نے غصے سے وہ پردہ لٹکے پھاڑ دیا اور فرمایا:

اهد الناس عنا باوم القيامة الذين يصورون هذه الصور (بخاری)

کہ ”سب سے زیادہ عذاب قیامت کے دن ان لوگوں کو ہو گا جو یہ سورتیں بناتے ہیں چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ نبی علیہ السلام کے اس اسوہ کی جھلک آپؐ کے امتیوں کے اندر بھی نظر آئے، انہیں ذاتی معاملات کے تعلق سے باہمی طور پر حضورؐ گزر کا ہیکر ہونا چاہئے جبکہ ان کے غصے اور سختی کا اظہار دین کی قیمت سے ہو۔

تواضع و مرحمت :-

عقائد و عبادات کے بعد دین میں سب سے زیادہ اہمیت اخلاق کی درجہ تھی اور پھر اس بات کو حاصل ہے کہ ایک مومن و مسلم اللہ کے بندوں کے ساتھ محبت و ہمدردی سے پیش آئے اور ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کا رویہ اختیار کرے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

بشت لا تتم حسن الاخلاق (موطا)

کہ ”مجھے حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بہت کیا گیا ہے۔“

اللہ کی کتاب گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام جو اعلیٰ اخلاق کے پیکر تھے، اہل ایمان کے ساتھ شفقت و مہربانی میں بھی سب سے پیہہ کرتے تھے، فرمایا:

لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رءوف ورحيم ○ (التوبہ ۱۲۸)

”تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر مگراں گزرتا ہے تمہاری

بھلائی کا وہ بہت خواہشمند اور مومنوں کے لئے نہایت شفیق اور مہربان ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفقت اور مہربانی صرف اہل ایمان ہی تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ دوسروں تک وسیع تھا۔ چنانچہ قرآن میں آپؐ کو دنیا جہاں والوں کے لئے رحمت قرار دیا گیا ہے (الانبیاء : ۱۰۷)

قرآن اہل ایمان کو بھی اسی وصف سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں اہل ایمان سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اگر تم میں سے کوئی دین سے پھر جائے تو اللہ کو اس کی پروا نہیں وہ اپنے دین کی خدمت کے لئے تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو الگے گا جن سے وہ محبت کرتا ہو اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں اور ان کی خصوصیت یہ بیان فرمائی :-

اقلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین ۔ یجاہلون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لائم (آیت نمبر ۵۴)

"جو مومنین کے حق میں نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔"

اسی طرح سورۃ الممتح میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی یہی صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ کافروں کے معاملے میں پتھر کی چٹان کی طرح سخت لیکن آپس میں انتہائی نرم اور رحمدل ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت و نرمی سے پیش آنے والے ہیں :-

محمد رسول اللہ والظن بعدا شلاء علی الکفار وحساء ینہم ○ (الممتح : ۲۹)

قرآن نبی علیہ السلام کے بلند اخلاق کی شہادت پیش کرتا ہے : **وَاللّٰکَ لَعَلٰی خَلْقٌ عَظِیْمٌ ○ (القلم : ۴)**
چنانچہ آپؐ کی شخصیت واضح و انکساری اور شفقت و مہربان کا ایک بہترین نمونہ تھی جس کو آپؐ پر اللہ کا خصوصی انعام قرار دیا گیا ہے :

لہما رحمۃ اللہ انت لہم ولو کنت قللاً غلیظ القلب لانقضوا من حولک ○ (آل عمران : ۵۹)

(اے محمد) اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد طبع ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے۔ اگر تم سب غرور اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔
اور کیوں نہ ہوتے جبکہ خود اللہ نے آپؐ کو تعلیم فرمائی تھی :

واحتضن جناحک لمن اتبعک من المؤمنین (الشعراء : ۲۱۵)

(اے نبی) اپنے بازو بچھائے رکھو اہل ایمان کے لئے جو آپؐ کی پیروی کرنے والے ہیں "یعنی ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیے۔"

یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم فرمائی!

○۔۔۔ "اللہ کی نافرمانی سے بچو تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اور اگر کوئی برائی کرے تو اس کے پیچھے بھلائی کرو تاکہ اس کی برائی کا اثر ناکل ہو جائے اور لوگوں کے ساتھ بہترین اخلاقی کا نمونہ پیش کرو۔" (ترمذی)

ہائے : کلکم واع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔

○..... لیس مٹامن لم یرحم صغیرنا ولم نولو کبرنا ویاہر بالمعروف وینہ عن المنکر (ترمذی)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں سے شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور

بھلائی کا حکم نہ دے اور برائی سے منع نہ کرے۔" آپ نے یہ بھی فرمایا:

○..... لا یرحم اللہ من لا یرحم (متفق علیہ)

"جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔"

قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا تعلیمات اہل ایمان کے لئے ایک راہ عمل ہیں۔ ان میں جہاں عام مسلمانوں کو ان کے درمیان ایمانی رشتے کے لحاظ سے آپس میں محبت و اخوت، ہمدردی و خیر خواہی، عفو و درگزر اور نرمی و رحمت کی تعلیم فرمائی گئی ہے وہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور ان کے اسوہ کے حوالے سے دین کی بنیاد پر قائم ہونے والی اجتماعیت کے احرام اور تائیمین کے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ ہدایت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن اخلاق، تواضع، نرمی اور محبت کے ساتھ پیش آئیں۔ ان کے نقصانات، ٹکھ اور پریشانیاں ان پر گراں گزریں اور ان کی بھلائی اور بہتری کے وہ دل و جان سے خواہشمند ہوں۔ دونوں کے اپنے اپنے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں جہاں احرام و تائیمین کا یہ حق ہے کہ ایماندار ساتھی سمع و طاعت کی بنیاد پر ان کے ساتھ بھرپور تعاون کریں اور ان سے احرام سے پیش آئیں وہاں ان ایماندار ساتھیوں کا بھی یہ حق ہے کہ متعلقہ احرام و تائیمین ان کے ساتھ عفو و درگزر اور شفقت و نرمی سے پیش آئیں اور ان کی خیر خواہی اور بہتری و بھلائی کے حتمی ہوں۔ ہمارے سامنے بہر حال نبی علیہ السلام کی یہ حدیث رہنمی

احتساب و نصیحت

"اللعین النصیحتہ" نبی علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق دین مرا امر نصیحت و خیر خواہی ہے۔ انسانیت کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دی جائے اور اس طرح خود اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کے لئے ترغیب دی جائے۔ اس لئے ایک مسلمان کے جذبہ خیر خواہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ نیک نیتی اور فکر مند ہی سے اپنے بھائی کے معمولات و دلچسپیوں پر بھی نظر رکھے اور جہاں کسی غفلت یا کمی و کوتاہی دیکھے تو پورے اخلاص کے ساتھ اسے توجہ دلائے اور اصلاح کی کوشش کرے۔ یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا :

○..... ان احدکم سرائۃ الخید فلان وای بہ الذی للبیض (ترمذی)

تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی برائی دیکھے تو اسے دور کر دے۔"

○..... المؤمن مرآۃ المؤمن والمؤمن الخ المؤمن یحک فیہم ویراۃ (ابوداؤد)

مومن مومن کا آئینہ اور ایک مومن دوسرے کا مومن بھائی ہے۔ اسے ایسی چیز دور کرتا ہے جس میں اس کی ہلاکت ہے اور اس کے پیچھے حفاظت کرتا ہے۔ یعنی اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کے حق کو محفوظ رکھتا ہے۔

○۔۔۔۔۔ النصارى اذ كانوا مظلوماً۔۔۔۔۔ (متفق علیہ)

”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم پوچھا کیا اگر وہ ظالم ہے تو پھر اس کی کیسے مدد کی جائے“ فرمایا اس کو ظلم سے روک دو۔ یہ اس کی مدد ہے۔“

مذکورہ بالا حدیث سے جہاں یہ بات واضح ہوئی کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی خیر خواہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کرے وہاں یہ اصول بھی متعین ہو گیا کہ ایمان دار ساتھیوں کی کمزوریوں کے بارے میں کوئی تجسس نہ کرے یا اپنی طرف سے اضافہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ نشاندہی پر سے غلو صحت اور درستی کے ساتھ بے کم و کاست ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ آئینہ نہ کبھی تجسس کرتا ہے اور نہ کسی قسم کی مبالغہ آرائی بلکہ جو کوئی جس طرح اس کے سامنے آتا ہے ایستدر اس کے ضد وخال کو ظاہر کرتا ہے۔ لہذا اس زندہ ”مرآۃ المؤمنین“ سے جو ”اخوة المؤمنین“ بھی ہے ایک بے جان آئینے کے مقابلے میں زیادہ اچھے کردار کی توقع کی جاتی چاہیے جس کے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے بلکہ اس کو اپنے اوپر ترجیح دے۔

رابطہ و ملاقات

باہمی رابطہ اور ملاقاتیں آپس کے تعلقات کو پروان چڑھانے میں سب سے زیادہ موثر ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کے حالات و مسائل سے آگاہی ہوتی ہے اور یوں ایک دوسرے کے دکھ و دوا پانٹنے اور ذاتی مسائل میں دلچسپی لے کر ان کے حل کے سلسلے میں باہمی تعاون کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ سلسلہ ایمان کے رشتے میں غسلک افراد کے درمیان ہو گا جو اللہ کیلئے آپس میں جڑے ہیں جن کے درمیان یہ تعلق ”اخلاص اور محبت اللہ کے دین کی وجہ سے ہے تو پھر اس کی برکات اور برگ و بار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی تعلقات اور محبت میں اس کو بڑی اہمیت دی ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں :

○۔۔۔۔۔ نیکیوں میں کسی نیکی کو حقیر نہ جانو اگرچہ وہ اتنی ہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو“ (مسلم کتاب البر والادب)

○۔۔۔۔۔ ایک شخص اپنے بھائی سے ملاقات کو کسی دوسرے گاؤں کی طرف چلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتہ بٹھادیا۔ جب وہ فرشتے کے پاس پہنچا تو فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ ”کہاں کا ارادہ ہے؟“ اس نے جواب دیا ”کہ اس گاؤں میں اپنے بھائی سے ملنے جاتا ہوں“ فرشتہ نے پوچھا ”کیا اس پر تیرا کوئی حق نعمت ہے جس کو حاصل کرنے جا رہے ہو؟“ وہ بولا ”نہیں اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں کہ میں اس سے صرف اللہ کیلئے محبت کرتا ہوں“ فرشتہ نے کہا مجھے اللہ نے تیری طرف یہ بشارت دے کر بھیجا ہے کہ وہ تجھ سے ایسی ہی محبت کرتا ہے جیسی کہ تو اس کی خاطر اپنے دوست سے کرتا ہے“ (مسلم۔ ایضا)

باہمی رابطہ اور ملاقاتیں جب کہ وہ اللہ کے دین کے تعلق سے اور اخلاص کے ساتھ ہوں اہل ایمان کے درمیان محبت اور تعاون میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر ایک دوسرے کو حسب توفیق تحفے تحائف دینے جائیں جو اس سلسلے میں اور زیادہ اثر پذیر اور باعث اجر و ثواب ہیں جیسا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تعالوا تعابوا و تذهب الشحناء کم) کہ ”ایک

دوسرے کو ہدیہ بھیجا کہ تو آپس میں محبت پیدا ہوگی اور دونوں سے دشمنی اور بھد جاتا رہے گا" (مشکوٰۃ)

دوبج والا عنوانات کے تحت "قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں" اہل ایمان کے درمیان باہمی تعلقات کی نوعیت اور بعض اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ان تعلقات کو خوشگوار بنانے اور مطلوبہ معیار پر استوار رکھنے میں موثر کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے برعکس کچھ ایسے اوصاف بھی ہیں جو ان کی ضد اور یا بھی محبت و خیر خواہی اور ہمدردی و بھائی چارے کی نفی کرنے والے ہوتے ہیں۔ انسان جب تک ان سے اپنے سیرت و کردار کو پاک نہ کرے وہ اپنے اندر بھلائی اور خیر کے جذبہ کو پروان چڑھانے اور اس کا حق ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بدخواہی کی نمائندہ ان برائیوں کا مقصد دوسروں کو اذیت اور نقصان پہنچانا اور انہیں مصائب میں گرفتار کرنا ہے۔ مثال کے طور پر "تمسخر" استہزاء "بدگمانی" اور سوء ظن "تجسس" اور عیب جوئی "الزام تراشی" اور غیبت وغیرہ اللہ کا دین اپنے ماننے والوں کو ان ناپسندیدہ اوصاف سے پاک و صاف دیکھنا چاہتا ہے۔

چنانچہ قرآن و حدیث میں ان رذائل اخلاق کی نشاندہی کر کے اہل ایمان کو ان سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ہے۔ سورۃ الحجرات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے حکم دیا جا رہا ہے :

(۱) ایمان میں داخل ہونے کے بعد نہ مردوں کے لئے زیبا ہے کہ وہ دوسرے مردوں کو حقیر سمجھ کر ان کا مذاق اڑائیں اور نہ عورتوں کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسری عورتوں کو تمسخر کا نشانہ بنائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرافت و رذالت کا دار و مدار ہر ایک کے ایمان و عمل پر ہے۔ جن کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی میزان عدل سے ہی ہو سکے گا۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں کو قیامت کے دن پتہ چلے کہ اللہ کی میزان میں ان کا وزن پر کاہ کے برابر بھی نہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی انسان کے بڑا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کو حقیر سمجھے۔

(۲) نہ آپس میں ایک دوسرے کو عیب لگائیں اور نہ بڑے القاب سے یاد کریں۔ قرآن و حدیث سارے مسلمانوں کو ایک دینی اخوت کا فرد قرار دیتے ہیں۔ ان کی رو سے ایک کی عیب چینی سب کی عیب چینی اور بے توقیری ہے۔ اچھے القاب سے یاد کرنا جس طرح کسی فرد یا قوم کے لئے باعث عزت افزائی ہے اسی طرح بڑے القاب کسی پر چسپاں کرنا اس کی توہین و تذلیل ہے۔ بڑے القاب لوگوں کی تباہیوں پر آسانی سے چڑھ جاتے ہیں لیکن ان کا اثر و رس اور پائدار ہوتا ہے۔ اور ان کی پیدا کردہ تنگیوں پشت در پشت باقی رہتی ہیں۔ ایمان لانے کے بعد فسق کا ارتکاب کو دور کنار ایمان والوں کو لفظ فسق سے بھی نفرت و بیزاری ہونا چاہیے۔

(۳) ایمان لانے والے بہت زیادہ گمان کرنے سے اجتناب کریں کہ بعض ظن گناہ ہوتے ہیں نہ کسی کے ہمیدگی نہ لگائیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کی غیبت کریں یہ اپنے مرید بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ ایمان داروں کے درمیان نیک گمانی ان کی ایمانی اخوت کا لازمی تقاضا ہے۔ تاکہ ان کے ضمیر اور شعور ایک دوسرے کی طرف سے صاف اور سطر رہیں۔ بدگمانی سے آپس میں شکوک و شبہات اور سازشیں پھیلتی ہیں۔ اسی لئے اسکو گناہ کہا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً یعنی "وہم و گمان یقین کا بدل نہیں" (النجم ۲۸) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدگمانی سے بچنے کا حکم دیا کیونکہ یہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے (بخاری و مسلم) جتنس یعنی اس بات کی تلاش کہ دوسرے کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق کوئی بات ملے جس سے اس کی خامیوں سے لگائی ہو۔ یہ چیز کبھی تو حسد کے جذبے سے پیدا ہوتی ہے کہ حریف کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو سامنے آئے جس سے کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے اور "بھی بغض و عناد کی شدت اس کا باعث ہوتی ہے کہ کوئی ایسی بات ہاتھ لگے جس کو بوقت

ضرورت تشریح کر کے مخالف کو رسوا کیا جاسکے۔ نبی علیہ السلام نے مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور ان کے محبوب تلاش کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے محبوب تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب ڈھونڈے گا اور جس کے عیب اللہ ڈھونڈے گا اس کو رسوا کر کے ہی چھوڑ دیا ہے چاہے وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر کیوں نہ بیٹھ رہے۔ (ترمذی) غیبت کو اس قدر محبوب اور قابل نفرت برائی کہا گیا ہے کہ جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ نبی علیہ السلام نے اس کی تعریف یوں بیان کی غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس انداز سے کرے کہ اگر وہ موجود ہو تو اسے تاپیند کرے پوچھا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو کیا یہ بھی غیبت ہے فرمایا اگر اس میں تحری بیان کردہ برائی موجود ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر وہ برائی اس میں نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔ (مسلم) عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صفیہ کے بارے میں کہا کہ وہ بیوی اور بیوی ہے (یعنی کو تاہ قد ہے) تو آپ نے فرمایا کہ تو نے ایسی کڑوی بات کہی ہے کہ اس سے سمندر کا پانی بھی کڑوا ہو سکتا ہے (ابوداؤد)۔ آپ نے فرمایا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر فسق اور کفر کی تہمت نہ لگائے اگر وہ مخلص ایسا نہیں ہے تو وہ اس پر لوٹ آئی ہے (بخاری)

اس طرح اہل ایمان کو ان برائیوں سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے جو ان کے دلوں سے ایک دوسرے کے لئے خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کو ختم کر کے ان میں حسد، کینہ اور بغض و عناد پیدا کرنے والی ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا :

اَلَا تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْاِيْمَانَ لَا تَحْسَبُوْا وَلَا تَحْسَبُوْا وَلَا تَتَالَسُوْا وَلَا تَحْسَبُوْا وَلَا تَتَالَسُوْا وَلَا تَبَاغِضُوْا وَلَا تَتَبَاغِضُوْا وَلَا تَنَابَرُوْا وَلَا تَنَابَرُوْا وَلَا تَحْسَبُوْا وَلَا تَحْسَبُوْا وَلَا تَتَالَسُوْا وَلَا تَحْسَبُوْا وَلَا تَتَالَسُوْا وَلَا تَبَاغِضُوْا وَلَا تَبَاغِضُوْا وَلَا تَنَابَرُوْا وَلَا تَنَابَرُوْا (بخاری و مسلم)

”تم بدگمانی سے بچو۔ کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اور نہ کان لگاؤ کسی کی باتوں پر اور نہ لہو لگاؤ اور نہ رشک کرو (دنیا کے کاموں میں) اور نہ حسد کرو اور نہ بغض رکھو اور نہ منہ پھیر کر رہو۔ بلکہ ہو جاؤ اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی۔“

آپس میں بغض، حسد اور ترک ملاقات نہ کرو اور ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی۔ اور کسی سداں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک ملاقات کرے (بخاری) جو کوہ مرتبہ اور پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں پھر ہر ایماندار کو پیش دیا جاتا ہے مگر وہ بندہ کہ جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہو کھانا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دینا تک کہ وہ آپس میں مل جائیں۔ (مسلم)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ایمان خالص کی بنیاد پر قائم ہونے والی اجتماعیت سے منسلک افراد کو ربی اخوت کے رشتے میں جوڑے رکھے اور ان کے درمیان یا اہی محبت و خیر خواہی کے جذبات میں اضافہ فرمائے۔ ان کے قلوب کی صفائی کو مخلص ایمانداروں کے ان جذبات کا صداق بنا دے جن کا اظہار اس دعا میں کیا گیا ہے : رَبَّنَا اَلْخُفْرٰنَا وَلَا اَخَوَانِنَا اَللّٰہُمَّ سَبِّحْنَا لَا اِيْمَانًا وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا عَمَلًا لِّلَّذِیْنَ اَسْتَوٰی رِبًّا اَنْتَکَ وَاَوْلٰی الرَّحِیْم۔ (الحشر : ۱۰) اور ہاں دلوں کے روگ کی اس کیفیت سے اپنی پناہ میں رکھے جس کی قرآن میں اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے : تَحْسِبُهُمْ جَمِیْعًا وَلَقَدْ هُمُ شَرٌّ (الحشر : ۱۳) آمین !

اب بھی اگر کسی کا کہنا یہ ہے کہ شریعت و طریقت دونوں ایک ہیں تو عقل و ضرر کے ماتم کے علاوہ کیا کیا
 جامکتا ہے۔ ہر چیز سامنے ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ شریعت کا حق دین طریقت کا باطل ہے۔ اس کا
 تمام اسکا حلال ہے۔ ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اور یہ دو ایسے کنارے ہیں کہ ایک دوسرے سے
 کبھی نہیں مل سکتے۔ ایک کی زندگی دوسرے کی موت ہے۔

آج ہر طرف یہی آوازیں آرہی ہیں کہ مسلمانوں کو جمع کرو مسلمانوں کو جمع کرو سوال یہ ہے کہ آخر ان کو کس چیز پر جمع کیا جائے
 اگر موجودہ دین پر جو استقامتی دین ہے تو اس اجتماع سے فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کبھی اس کی طرف متوجہ نہ ہو
 گی بلکہ ہر آن اس پر عذاب کے ڈونگرے برستے رہیں گے۔ ہاں اگر اس موجودہ دین سے برأت کا اعلان کر کے خالص
 قرآن و سنت کا قصد کیا جائے تو یہ اجتماع مبارک اور صحیح معنوں میں جہل اللہ کو مضبوطی کے ساتھ لے کر پکڑنا ہوگا
 اسی اجتماع سے مالک حقیقی مسکا وعدہ ہے کہ **اَنْتُمْ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ** تم ہی سر بلند
 تم ہی کا سرگزار تم ہی (دنیا اور آخرت کے) تاجدار ہو گے۔ اگر تم مومن بن جاؤ۔ اس زمین کی خلافت تمہارے
 ہاتھوں میں ہوگی۔ اور امن و سلامتی تمہارے قدم چومے گی۔

رہے ہم۔ تو ہماری ساری دُور دُھوپ اِنْ شَاءَ اللہ اسی مقصد کے لئے وقف ہے اور وقف رہے گی۔
 اب کوئی بُرا مانے پیرا رخ پا ہوا نکالیاں دے، جان و مال کا دشمن بن جائے تو یہ چیزیں تو آتی جاتی ہیں۔ اہل
 بات تو یہ ہے کہ کل مالک کے دربار میں اپنی سجات کا کیا بنے گا۔ اس لئے ہم فاضل دُعا بِمَا تَوْفَّرُ
 کے حکم پر عمل کر رہے ہیں اور اس یقین کے ساتھ کہ آسمان و زمین کا امیلا مالک ہماری کفایت کے لئے
 بس ہے۔

ابھی ایک آخری بات تو باقی ہے یعنی یہ فریاد کہ لوگو! اگر اللہ کا دین تو حید تمہارے دل کو اپلی نہیں کرتا
 تو حکم از کم اس دین استقامت کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھتے مگر تم نے یہ کیا غضب کیا کہ صدیوں سے اس
 کی تبلیغ و ترویج کے لئے خانقاہیں بنا رہے ہو، مدرسے قائم کر رہے ہو، تم نے اپنی متحرک خانقاہیں دنیا کے گوشے
 گوشے میں بھیج رکھتی ہیں جو تمہارے دین استقامت کا پرچار کرتی ہیں، تمہارے اخبار، تمہاری کتابیں، تمہارے
 رسائل اسی ایک بات کو پھیلا کر مالک کائنات کے تھم لے گا کہ تمہارے ہیں۔ لہذا اس کھیل کو اب تو ختم کر دو
 بہت ہو چکا۔

(ایمانِ خالص قسط اول)

حدیثِ مسلم

عن ابی صالح سمع اباہریرۃ رفعہ مرۃ قال تعرض الاعمال فی کل
یوم خمیس واثنین فیغفر اللہ عز وجل فی ذالک الیوم لکل امرأ
لا یشرک باللہ شیئاً الا امرأً كانت بیثہ و بین اخیہ شخناً فیقال اُرکوا ہذین
حتی یصطلحا اُرکوا ہذین حتی یصطلحا۔

ترجمہ: ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک بار یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعمال ہر جمعرات اور پیر کو پیش کیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اعمال پیش کیے جانے والے دن ہر اس شخص کی مغفرت فرمادیتا ہے جس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرایا ہو، سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان کوئی رنجش ہو۔ ان دونوں کیلئے کہا جاتا ہے کہ ان کے معاملہ کو مؤخر کر دو یہاں تک کہ وہ مصالحت کریں۔ (ترجمہ مسلم ص ۳۱ جلد ۲ مطبوعہ دہلی)

قرآن مجید میں جو ہر مقام پر حضور کے ساتھ بغیر کسی استثناء کے بیان ہوا ہے کہ بندوں کے سارے اعمال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، اسکی بہترین تشریح یہ حدیث ہے۔ مگر قرآن و حدیث کی اس بات کے خلاف فرقہ پرستوں (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعوں) کا عقیدہ ہے کہ اعمال اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی میں تو یہ حال تھا کہ آپ فرماتے تھے:-

تعرض الاعمال یوم الاثنين والخمیس فاحب ان تعرض علی وانا صائم

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اس لیے میں محبوب رکھتا ہوں کہ ان دنوں جب میرے اعمال بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں (رواہ الترمذی)۔
”اَفَلَا اَکُونُ عِیداً تُشْکَرُ“ کے جذبہ اخلاص کے حامل بندے کا اندازِ تہجد کی ملاحظہ ہو۔ رب العالمین کی رضا و خوشنودی کے سچے طلب گار کی شدید خواہش ہے کہ جب اعمال بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوں تو وہ روزے سے ہو۔ مگر بندوں کے اعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہونے کے باطل عقیدے کی اختراع نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کی سطح سے اٹھا کر ربوبیت کے منصب پر فائز کر دیا ہے۔